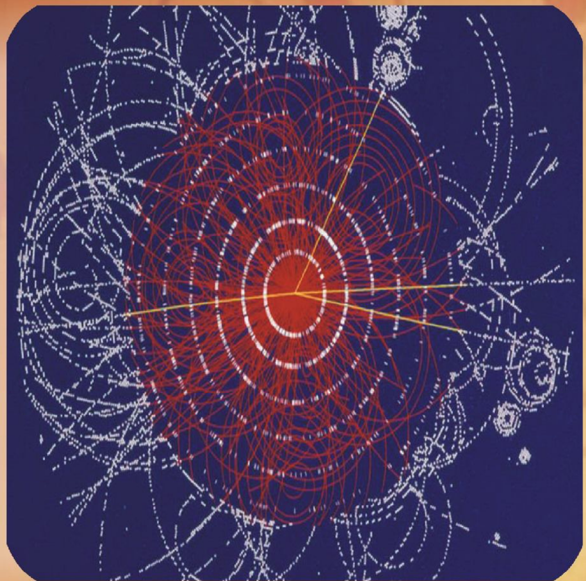
قفس کے اندر

حیدر قریشی

کُن کا اک لفظ اسیروں پہ کہیں سے اُترا   آسماں ہو گئے تخلیق قفس کے اندر



قفس کے اندر (شاعری)

حیدر قریشی

قفس کے اندر

Qafas Kay Andar

Poetry By: Haider Qureshi



کُن کا اک لفظ اسیروں پہ کہیں سے اُترا
آسماں ہو گئے تخلیق قفس کے اندر

قفس کے اندر

(چھ شعری مجموعوں کا مجموعہ)

حیدر قریشی

انٹرنیٹ ایڈیشن

QAFAS KAY ANDAR
Poetry By:**Haider Qureshi**
6 poetry Books in 1 Volume

قفس کے اندر
حیدر قریشی کی اب تک کی کل شاعری
۱۔**سلگتے خواب** (غزلیں) ۲۔**عمرِ گریزاں**(غزلیں،نظمیں اور ماہیے)
۳۔**محبت کے پھول**(ماہیے) ۴۔**دعائے دل**(غزلیں اور ماہیے)
۵۔**درد سمندر**(غزلیں،نظمیں اور ماہیے)٦۔**زندگی**(غزلیں،نظمیں،ماہیے)

نام کتاب:**قفس کے اندر**
شاعر: حیدر قریشی
اشاعت اول:۲۰۱۳ء(عوامی ایڈیشن)
تعداد: ۵۰۰
سرورق:ارشد خالد

سرورق کی تصویر: ۲۰۱۲ء میں سوئٹزرلینڈ میں قائم کی گئی سترہ میل کی دائرہ نما خصوصی سُرنگ میں بگ بینگ کا تجربہ محدود سطح پر دہرایا گیا تھا۔وہاں یہ ''سب پارٹیکل'' سب سے پہلے آیا اور جیسے ''کن'' کا فرمان بن کر اپنا کام کیا اور پھر غائب ہو گیا۔اسے ''گاڈ پارٹیکل'' کا نام دیا گیا ہے۔تب سے سائنسدان اس کی کھوج میں مصروف ہیں۔

انٹرنیٹ ایڈیشن۔جنوری ۲۰۱۴ء

انتساب

ابا جی اور امی جی کے نام

حیدؔر اب اپنی عادتیں، اطوار ٹھیک کر
ابا بھی چل بسے، تری ماں بھی نہیں رہی

نبھانا ہے ابھی تو قول اپنے باپ کا ہم نے
ابھی اپنے مقدر کا کڑا بَن باس باقی ہے

یہ ساری روشنی حیدؔر ہے ماں کے چہرے کی
کہاں ہے شمس و قمر میں جو نور خاک میں ہے

قفس کے اندر

چھ شعری مجموعوں کی ترتیب

قفس کے اندر ابھی عوامی ایڈیشن کتاب کی صورت میں ۱۵۲ صفحات میں شائع کی گئی تھی۔ اور اب چھ مکمل شعری مجموعوں کی صورت میں پیش کر رہا ہوں۔ اس انٹرنیٹ ایڈیشن کی یہ ساری سیٹنگ برادرم **ارشد خالد** مدیر **عکاس انٹرنیشنل اسلام آباد** کی مرہونِ منت ہے۔ اس خاص توجہ کے لیے میں ان کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں! **(ح۔ق)**

اک فرشتہ ہے عشق کا حیدرؔ
مجھ پہ جو شاعری اتارتا ہے

عرضِ حال

ابھی تک میرے پانچ شعری مجموعے مختلف ایڈیشنز کی صورت میں کسی نہ کسی طور شائع ہو چکے تھے۔ پہلے چار مجموعے **''سلگتے خواب''**، **''عمرِ گریزاں''**، **''محبت کے پھول''** اور **''دعائے دل''** الگ الگ کتاب کی صورت میں شائع ہوئے۔ پھر ان چاروں مجموعوں کو **''غزلیں، نظمیں، ماہیے''** میں یک جا کر کے شائع کیا گیا۔ میری شعری و نثری کلیات **''عمرِ لاحاصل کا حاصل''** کا پہلا عوامی ایڈیشن ۲۰۰۵ء میں شائع ہوا تو اس میں ان چاروں مجموعوں کے ساتھ ایک نیا مجموعہ **''دردسمندر''** بھی شامل کر لیا گیا۔ پانچواں مجموعہ **''دردسمندر''** الگ کتاب کی صورت میں ابھی تک شائع نہیں ہوا لیکن **''عمرِ لاحاصل کا حاصل''** کے عوامی ایڈیشن کے بعد ۲۰۰۹ء میں اس کے لائبریری ایڈیشن اور ۲۰۱۲ء کے ای بک ایڈیشن میں بھی شامل ہے۔

۲۰۱۳ء میں میرے چھ شعری مجموعوں کا مجموعہ **''قفس کے اندر''** کا عوامی ایڈیشن شائع ہوا تو اس میں پہلے پانچ مجموعوں کے بعد کی شاعری کو **''زندگی''** کے نام سے الگ شعری مجموعہ کے طور پر شامل کر لیا گیا۔ یوں میرے دو آخری شعری مجموعے ابھی تک الگ الگ کتابی صورت میں شائع نہیں ہوئے لیکن **''قفس کے اندر''** میں دونوں شامل ہیں۔ البتہ اب چھ کے چھ شعری مجموعے الگ الگ ای بک کی صورت میں شائع کر دیئے ہیں جو اس لنک پر آسانی سے مطالعہ کیے جا سکتے ہیں اور ڈاؤن لوڈ بھی کیے جا سکتے ہیں۔

http://haider-qureshi.blogspot.de/2013/12/blog-post_1650.html

چھ کتابوں کو انٹرنیٹ پر الگ الگ کتاب کی صورت میں پیش کرنے کے بعد ان چھ مجموعوں کو ایک ہی جلد میں یک جا کر کے پیش کر دینا بھی آسان ہو گیا۔ اس سلسلہ میں رسالہ عکاس کے مدیر **برادرم ارشد خالد** نے بہت ساری تیکنیکی معاونت کی، جس کے لیے ان کا شکر گزار ہوں۔
بہر حال اب میرے چھ شعری مجموعے، الگ الگ شعری مجموعے کے طور پر بھی انٹرنیٹ پر دستیاب

ہیں اور چھ مجموعے ایک ہی جلد میں اس کتاب کی صورت میں بھی موجود ہے۔

''تسلسل'' کے زیرِ عنوان اپنے پوتے، پوتیوں، نواسے، نواسیوں کے بارے میں ماہیے کہنے کا ایک سلسلہ میں نے شروع کیا تھا۔ یہ ماہیے **''دردسمندر''** میں شامل ہیں۔ **''عمرِ لاحاصل کا حاصل''** کے ۲۰۰۵ء کے ایڈیشن میں ۸ ماہیے شامل تھے۔ ۲۰۰۹ء کے ایڈیشن میں دس ماہیے شامل تھے۔ ۲۰۱۲ء کے انٹرنیٹ ایڈیشن میں بارہ ماہیے ہو گئے۔ **''قفس کے اندر''** ۲۰۱۳ء کے عوامی ایڈیشن میں بھی ۱۲ ماہیے شامل ہیں لیکن اب اس ایڈیشن میں (اور **دردسمندر** کے ای بک ایڈیشن میں بھی) **تسلسل** کے زیرِ عنوان چودہ ماہیے شامل ہیں۔ یہ بچوں کی تعداد بڑھنے کا ثمر ہے۔ **الحمد للہ**۔

شعری مجموعہ **''زندگی''** کو عوامی کلیات **''قفس کے اندر''** میں پیش کیا جا چکا ہے لیکن الگ کتاب میں بھی اور اس جلد میں بھی یہ **''زندگی''** کے عوامی کلیات والے ایڈیشن سے کچھ زائد ہے۔ اس میں آٹھ پرانی غزلوں اور دو پرانی نظموں کا اضافہ بھی کر لیا ہے۔

اس کتاب میں صفحات کی نمبرنگ میں **صفحہ کے اوپر ۱ تا ۶۱۸** کی نمبرنگ درج ہے، جبکہ صفحہ کے نیچے ہر مجموعہ کی اپنی اپنی مجموعہ والی نمبرنگ شامل رکھی گئی ہے۔ تاکہ ہر کتاب اپنی الگ ترتیب کے ساتھ بھی ظاہر رہے۔ ابھی تک یہی کچھ ہو سکا ہے، اور جو کچھ ہو سکا ہے ادب کے سنجیدہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

حیدر **قریشی** (جرمنی سے) ۱۳ جنوری ۲۰۱۴ء

دلچسپی رکھنے والے احباب کے لیے

انٹرنیٹ پر تین مختلف لائبریریوں کے ایڈریس جہاں میری کتابیں دستیاب ہیں

http://haider-qureshi.blogspot.de/

http://haiderqureshi-library.blogspot.de/

http://issuu.com/haiderqureshi

سُلگتے خواب

(غزلیں)

حیدر قریشی

انٹرنیٹ ایڈیشن

Sulagtay Khawab

Poetry By: ***Haider Qureshi***

نام کتاب: ا۔ **سلگتے خواب** (غزلیں)
شاعر: حیدر قریشی
اشاعت اول: ۱۹۹۱ء
تعداد: ۵۰۰
مطبع:
قیمت: ۱۰۰ روپے

انٹرنیٹ ایڈیشن
جنوری ۲۰۱۴ء

انتساب

مبارکہ کے نام

استعارے تو کجا، سامنے اُس کے حیدر
شاعری ایک طرف اپنی دھری رہتی ہے

اپنی کچھ نیکیاں لکھنے کے لئے بھی حیدرؔ
اپنے ناکردہ گناہوں سے سیاہی مانگوں

ترتیب

پیش لفظ

ڈاکٹر وزیر آغا

سلگتے خواب۔۔۔حیدر قریشی کی غزلوں کا پہلا مجموعہ ہے۔ان لوگوں کے برعکس جو اخبارات کے ادبی صفحات سے ابھرتے ہی پلک جھپکنے میں اپنا شعری مجموعہ پیش کر دیتے ہیں۔ حیدر قریشی نے ادبی روایات کے احترام میں اپنا اولین شعری مجموعہ پیش کرنے میں عمداً تاخیر کی ہے اور یہ ایک بہت اچھی بات ہے۔حیدر قریشی نے ۱۹۷۱ء کے لگ بھگ ادب کے میدان میں قدم رکھا اور پچھلی ایک دہائی میں اس نے شاعری کے علاوہ انشائیہ'افسانہ،تنقید اور خاکہ نگاری میں بھی نام پیدا کیا ہے۔علاوہ ازیں اس نے نہ صرف رسائل اور کتابیں مرتب کی ہیں بلکہ دوسرے مدیران اور مرتبین میں مشورے اور ہدایات بھی فراوانی کے ساتھ مفت تقسیم کی ہیں۔حیدر قریشی میں فاضل قوت اتنی زیادہ ہے کہ اس نے ادب کے محیط کو عبور کر کے بعض دیگر شعبوں میں بھی اپنی ذہانت کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ مجھے اس کے ہاں ایک انوکھا حصول آزادی کا رجحان نظر آیا ہے۔وہ آزاد ہونا چاہتا ہے مگر تا حال اسے شاید خود بھی معلوم نہیں کہ وہ کس سے آزاد ہونے کا خواہاں ہے۔ کیا وہ معاشرے کی جکڑ بندیوں سے باہر آنے کا متمنی ہے؟ یا کلیشوں کی گرفت اور عقائد کی سنہری زنجیروں سے؟ یا پھر خود اپنی ذات کے سلاسل سے؟ بات پوری طرح واضح نہیں ہے۔ممکن ہے وہ ان سب دائروں سے باہر نکل کر خود کو ایک ناظر کے مقام پر فائز کرنے کا متمنی ہو۔

غالباً یہی بات ہوگی کیونکہ ناظر ہی وہ مرد آزاد ہے جو کھیل میں شریک ہونے کے

باوجود اس سے آزاد ہوتا ہے۔کھیل میں اگر انسان ایک کھلاڑی کی حیثیت میں شامل ہو تو پھر اس کے باہر چلے جانے سے کھیل رک سکتا ہے لیکن ناظر بن جانے کی صورت میں اس کے باہر نکل جانے یا ویسے ہی آنکھیں موند لینے سے کھیل رک نہیں جاتا بلکہ جاری رہتا ہے۔حیدر قریشی کو اپنا یہی رول پسند ہے کہ جب چاہا آنکھیں کھول کر کھیل میں جذب ہو گئے اور جب جی چاہا آنکھیں میچ کر مراقبے میں چلے گئے یا ایک آنکھ میچ کر رننگ کمنٹری نشر کرنے لگے۔حیدر قریشی کے اس رویے نے اس کی غزلوں میں ایک ایسا ذائقہ پیدا کیا ہے جو آج کے نئے غزل گو شعراء میں سے شاید ہی کسی کے ہاں نظر آئے۔یعنی وہ غزل کی مقبول ترین تمثیل میں (جو عورت اور مرد کے رشتے پر مشتمل ہے) اپنا کردار ادا کرتے ہوئے اس سے لحظہ بھر کے لئے باہر نکل کر اس پر ایک نظر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، یہ معروضی رویہ شاعر کو بے معنویت یا زیاں کے ایک گہرے احساس کے بھی سپرد کر سکتا تھا مگر حیدر قریشی کے ہاں اس کے نتیجے میں ایک ایسی موہوم سی مسکراہٹ ابھری ہے جس میں شرارت کا عنصر واضح طور پر شامل ہے۔خود پر ہنسنے کے لئے بلا کا اعتماد ہی نہیں اپنی ذات سے باہر نکل کر خود کو دیکھنے کا رویہ بھی درکار ہے۔تاہم اس رویے کو اپنانا شاعری کے معاملے میں خطرناک بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اگر معروضیت کی گرفت کڑی ہو جائے تو ایسی صورت میں طنزیہ مزاحیہ ادب تو پیدا ہو سکے گا مگر غم میں بھیگی ہوئی وہ مسکراہٹ جنم نہ لے سکے گی جو شاعری کی معراج ہے۔اور جو محسوسات کی سطح پر بھرپور شرکت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔غور کیجئے کہ ہماری غزل کی روایت تین نمایاں عناصر پر مشتمل ہے۔فکری عنصر،لذت کوشی کا عنصر اور گریہ وزاری کا میلان!

گویا اس میں Hedonist, Thinker اور Lamenter تینوں کی کارکردگی دیکھی جا سکتی ہے اور یہ تینوں اپنے اپنے منطقے میں بے حد سنجیدہ لوگ ہیں۔مگر وہ چوتھا عنصر جو ان تینوں کے ذائقے سے آشنا ہونے کے باوجود انہیں ناظر کی حیثیت میں دیکھنے پر قادر ہو، اردو میں خال خال ہی نظر آتا ہے۔اس کی بہترین مثال غالب ہے جس کے ہاں شاعرانہ مزاح Humour of Sublimity کے بہترین نمونے ملتے ہیں یعنی انبساط کی وہ کیفیت جو آپ کو دیر تک ایسی سوچ میں مبتلا رکھے جس میں کسی گہرے دکھ کا احساس شامل ہو۔

غالب کی خوبی یہ ہے کہ وہ ایک غم انگیز بلند فکری سطح سے جب چیزوں پر ایک نظر ڈالتا ہے تو غیر معمولی اشیاء معمولی اور معمولی چیزیں غیر معمولی بن جاتی ہیں۔ تب اس کے ہاں وہ تبسم جاگتا ہے جو "جان لینے" کا ایک انوکھا زاویہ ہے۔ اس سلسلے میں ایک کم تر سطح پر عدم کی مثال بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ جو انسانی اعمال، مظاہر، حتیٰ کہ خود پر ہنسنا بھی جانتا تھا۔ ویسے غالب اور عدم میں بُعد القطبین ہے مگر ان کی جہت ایک ہے وہ جہت جو شاعر کو لحظہ بھر کے لئے وقت کے بہاؤ سے الگ کر کے ناظر کی حیثیت تفویض کر دیتی ہے۔ ولیم بٹلر ییٹس نے اپنی مشہور نظم Long Legged Fly میں اس بھنورے کے کردار کو پیش کیا ہے جو پانی کی سطح پر چلتا ہے مگر اس کے ساتھ بہہ نہیں جاتا یعنی وقت کی ندی رواں دواں رہتی ہے مگر رواں ندی کے کسی ایک مقام پر "چلنے" کے عالم میں ٹھہرا ہوتا ہے۔ اس کی دوسری مثال بھگوت گیتا کا کنول ہے جو پانی میں رہتے ہوئے بھی پانی سے تر نہیں ہوتا۔ غالب کی شاعری اس خاص قسم کے معروضی رویے کی بہترین مثال ہے۔

دوسری طرف عدم کے ہاں کمتر سطح پر سہی لیکن یہ رویہ اُبھرا ضرور ہے۔ اُردو کے نئے غزل گو شعراء میں مجھے حیدر قریشی کے ہاں یہی رویہ نظر آیا ہے۔ اگر اس کی غزل میں یہ انداز مزید نکھر سنور سکا تو اس بات کا امکان ہے کہ اس کی غزل دیگر بہت سے غزل گو شعراء سے بالکل الگ نظر آنے لگے گی۔

دراصل کھیل میں پوری طرح شریک ہو کر اپنا کردار ادا کرنے یا کھیل سے یکسر منقطع ہو جانے اور بحیثیت ناظر کھیل میں شریک ہونے کے باوجود لحظہ بھر کے لئے اس سے باہر نکل آنے میں بڑا فرق ہے۔ حیدر قریشی نے موخر الذکر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔ چنانچہ اس کی غزل میں محبت کا تجربہ اپنے سارے کرب کے ساتھ سامنے آیا ہے۔ مگر پھر اس نے اپنے اس تجربے پر معروضی نظر بھی ڈالی ہے جہاں تک اس کے ہاں محبت کے تجربے کا تعلق ہے تو اس کا ذائقہ افلاطونی نہیں بلکہ زمینی اور جسمانی ہے۔ گویا ایسا جسمانی بھی نہیں کہ اسے معاملہ بندی کی سطح تک محدود سمجھا جائے۔ مثلاً اس محبت کا ایک نمایاں پہلو Pangs کی صورت میں نمایاں ہوا ہے۔ وہ اپنی محبت کو ایک گرم اور گداز "یاد" کی صورت میں اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہے اس طور کہ بعض اوقات "یاد" میں محبوبہ کی

تجسیم بھی ہو گئی ہے۔ مراد یہ کہ "یاد" کے تخیلی پہلو میں بھی بدن کی حرارت بلکہ کہنا چاہیے کہ تجربے کی حدت صاف محسوس ہوتی ہے۔ حیدر قریشی کی غزلوں سے "یاد" کی یہ مخصوص کارفرمائی ان چند اشعار میں بخوبی نظر آ سکتی ہے۔

لفظ تیری یاد کے سب بے صدا کر آئے ہیں
سارے منظر آئینوں سے خود مٹا کر آئے ہیں

شاخِ دل یوں تیری یادوں سے ہری رہتی ہے
جیسے میووں سے کوئی ڈال بھری رہتی ہے

رقصاں تھی اس طرح تری یادوں کی آبشار
کہسارِ دل کے جھانجروں سے گونجتے رہے

بیتی یادیں پرو رہا تھا وہ
لوگ کہتے ہیں رو رہا تھا وہ

مجھ سے تیری یاد کے سائے بھی کترانے لگے
پھول تیری چاہتوں کے اب تو مرجھانے لگے

بھر کے آنکھوں میں سلگتے خواب اس کی یاد کے
مجھ کو سوتے میں بھی حیدؔر جاگتا رکھا گیا

پلکوں پہ تیری یاد کے منظر بکھر گئے
جیسے ستارے سینۂ شب میں اتر گئے

کچھ ایسے آتے رہے اس کے لمس کے جھونکے
دھنک اترتی گئی دل کے ذرے ذرے میں

اس کی چیخوں کی صدا آج بھی آتی ہے مجھے میں نے زندہ ہی تری یاد کو دفنایا تھا

ان اشعار میں یادوں نے بار بار محبوبہ کے گرم وگداز جیتے جاگتے بدن کا روپ دھارا ہے۔ اس طور کہ کبھی تو یاد جھانجروں کی آواز میں منقلب ہو کر آئی ہے۔ کبھی درپن بن کر ابھری ہے۔ کبھی وہ گرم سلگتا خواب ہے، کبھی میووں سے بھری ڈال، کبھی سینۂ شب، موتیوں کا ہار اور لمس کا جھونکا ہے اور آخری شعر میں تو اس نے ایک ایسی انارکلی کا روپ دھارلیا ہے جیسے زندہ دیوار میں چن دیا گیا ہے۔ محبت کا یہ پہلو تجربے کی صداقت کا اعلامیہ ہے نہ کہ محض تخیل کی پرواز کا۔ ویسے بھی حیدر قریشی کی غزل میں محبت کا تجربہ ارضی سطح پر کسی شے کے گم ہو جانے کے کربناک احساس سے عبارت اور جسمانی قرب سے سرشار ہونے کی آرزو پر دال ہے۔ مثلاً

وہ سرد رات کی تنہائی اور یخ بستر
سلگ رہے تھے ہزاروں اداسیوں کے بدن

کون جانے اس کی اپنی پیاس کا عالم ہو کیا
وہ جو میری روح کو پیاسا سمندر کر گیا

شب تنہائی میں اک شخص دل پر
اجالے کی طرح بکھرا ہوا تھا

رُت بدل جائے گی اس کے جگمگاتے جسم کی
میری رگ رگ میں مگر اک ذائقہ رہ جائے گا

وہ پتھر دل سہی لیکن ہمارا بھی یہ دعویٰ ہے
ہمارے لب جنہیں چھولیں وہ پتھر بول اٹھتے ہیں

کنواری رات کے سینے سے کھینچ کر آنچل
افق کی زردیوں میں حسن تیرگی بھر دو

میں اپنے ہونے کے احساس سے ہراساں ہوں
مرے شعور میں کچھ کیف بے خودی بھر دو

کیف بے خودی کو آپ حسن طلب ہی سمجھیں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ حیدر قریشی کے غزلیہ اشعار میں محبت کا کیف وکم شاعر کو مبہوت اور بے خود کرنے میں پوری طرح کامیاب ہے۔ محبت کا یہ تجربہ ایک سچا اور کھرا جسمانی تجربہ ہے اور اسی لئے اس سے پھوٹنے والا کرب اور زیاں کا احساس بھی سچا ہے۔ اگر حیدر قریشی کی جگہ کوئی اور شاعر ہوتا تو محبت میں ناکامی کے بعد صوفیانہ مسلک کے تحت محبت کے جذبے کو منقلب کر لیتا یا پھر آہ وزاری کو اپنا مسلک بنا کر حدیث دل سناتا چلا جاتا یا اگر ترقی پسند جذبات سے سرشار ہوتا تو محبوبہ کو اپنے آنچل کا پرچم بنا لینے کا مشورہ دیتا۔ مگر حیدر قریشی نے محبت کے کربناک تجربے کو اور ہی زاویے سے دیکھا ہے جس کے نتیجے میں اس کے ہاں زیرلب تبسم کی نمود ہوئی ہے جو جذبے کی بے معنویت کو اُجاگر کرنے میں پوری طرح کامیاب ہے۔

ایک ایسے شخص کا تصور کیجیے جس کا ایک ہاتھ تو اپنے سینے میں سلگتے ہوئے درد پر رکھا ہو

اور دوسرے ہاتھ سے وہ زندگی کو معنی خیز اشاروں سے چڑا رہا ہو تو آپ کو حیدر قریشی کے اس رویے کا کچھ اندازہ ہو گا جو اس کے بعض غزلیہ اشعار میں ابھرا ہے اور جو وقت کے ساتھ ساتھ اگر پھولتا پھلتا گیا تو اسے غزل گو شعراء کے جمِ غفیر سے بالکل الگ کر دے گا۔اس سلسلے میں حیدر قریشی کے یہ چند اشعار درج کر کے اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

اس کو پانے کی تمنا پہ یقیں کب ہے مگر
ہاتھ جب اٹھ ہی گئے ہیں تو دعا ہی مانگوں

(ہلکی سی شرارت۔۔۔۔کہ دعا تو اس سلسلے میں مستجاب ہونے سے رہی تاہم اگر ہاتھ اٹھ ہی گئے ہیں تو چلو اس بے نتیجہ تجربے سے بھی گزر جائیں)

گھر تو ہے اپنا ایک سو ایسے بچھڑ لئے
تم اپنے گھر کو چل پڑے،ہم اپنے گھر گئے

اب اعتبار کرو میرے سبز باغوں کا
کہ یہ بھی سچے ہیں اٹھتی جوانیوں کی طرح

تماشا سا تماشا ہی بنا ڈالا مجھے اس نے
کبھی وہ قید کرتا ہے،کبھی آزاد کرتا ہے

عجب بے کیف سی ہے زندگی پچھلے مہینے سے
نہ کوئی یاد آتا ہے، نہ کوئی یاد کرتا ہے

پاس آکر پڑھ نہ پائے گا کتاب دل کبھی
وہ تو بس شیلفوں سے مجھ کو جھانکتا رہ جائے گا

سوچ لو انجام بھی اس عشق کا
چن دیئے جاؤ گے پھر یادوں کے بیچ

رہا نہ دھیان کسی کو دیا بجھانا تھا
جب اس کو میں نے مجھے اس نے آزمانا تھا

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تاثرات

میرزا ادیب (لاہور)

☆☆ حیدرقریشی مجھ سے دُور بھی ہیں اور قریب بھی ۔ دُور زمینی فاصلے کے لحاظ سے ، اور قریب اس محبت اور خلوص کی بنا پر جو وہ میری ذات کے لئے روا رکھتے ہیں، مگر کچھ لمحے ایسے بھی آتے ہیں جب وہ میرے بہت ہی قریب آ جاتے ہیں، یہ وہ لمحے ہوتے ہیں جب میں اُن کی کسی تڑپا دینے والی تخلیق کا مطالعہ کرتا ہوں، یہ تخلیق بالعموم شعری صورت میں ہوتی ہے۔ حیدرقریشی نے اپنی ذہانت کا ثبوت کئی صورتوں میں دیا ہے، وہ ایک شاعر بھی ہیں، افسانہ نگار بھی، اور ان کے علاوہ ایک مدیر بھی۔ مجھے ان کی ساری صلاحیتوں نے متاثر کیا ہے، مگر میں جب معروضی انداز میں ان کا تجزیہ کرتا ہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ میری نظروں میں ان کی غزل ان کے تخلیقی جوہر کی خصوصی مظہر ہے۔ ان کے بعض غزلیہ شعروں نے مجھے حزن و ملال کی کیفیت سے بھی دوچار کیا ہے مگر ایسی کیفیت کے اندر بھی اپنا ایک سرور ہوتا ہے۔ یہ سرور در سرور قسم کی کیفیت سے عبارت ہے۔ اس کی وضاحت نہیں ہوسکتی۔ میں نے حیدر کے جب یہ شعر پڑھے تھے تو میری آنکھیں بے اختیار نم ناک ہوگئی تھیں:

یہ ساری روشنی حیدرؔ ہے ماں کے چہرے کی
کہاں ہے شمس و قمر میں جو نور خاک میں ہے

عشق اور نوکری مل کر دونوں چوس گئے ہیں تجھ کو
تُو تو بس اب ایسے ہے جیسے گنے کا پھوگ

دوسرے شعر پر شاید کچھ اہلِ ذوق ناک بھول چڑھائیں، لیکن میں سمجھتا ہوں حیدر نے نچلے اور متوسط طبقے کی زندگی کے ایک عمومی پہلو کا اظہار دل میں اُتر جانے والے انداز سے کر دیا ہے۔ گنے کا پھوگ ایک ایسی مثال ہے جو میں نے پہلی بار ایک شعر میں دیکھی ہے۔ حیدر کے اور بھی کچھ اشعار ایسے ہیں جن کے متعلق میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ انھیں گنگنانے کو بے اختیار جی

چاہا اور اکثر گنگناتا رہا:

منزلوں نے تو مجھے ڈھونڈ لیا تھا حیدرؔ
پھر مرا شوقِ سفر مجھ کو چرا لایا تھا

خوشی حد سے زیادہ دے کے بھی برباد کرتا ہے
انوکھے ہی ستم وہ صاحبِ ایجاد کرتا ہے

اور یہ شعر تو قیامت کا شعر ہے:

غم تمہارا نہیں جاناں ہمیں دُکھ اپنا ہے
تم بچھڑتے ہو تو ہم خود سے بچھڑ جاتے ہیں

آج حیدرقریشی اپنا پہلا شعری مجموعہ دنیائے ادب کو دے رہے ہیں، میں اُن کے اس مجموعے کا خیر مقدم کرنے والوں میں بصد مسرت شامل ہوں!

....

مجروح سلطانپوری (بمبئی)

☆☆ آپ کی کتاب (سلگتے خواب) پر لکھے ہوئے آراء سے مجھے پورے طور پر اتفاق ہے۔ آپ کی شاعری میں تازگی لانے کی سعیٔ جمیل کا پتہ چلتا ہے۔ روایت میں درایت کا رویہ!

....

ڈاکٹر انور سدید (لاہور)

حیدرقریشی تو آرائشی نقش ونگار پیدا کئے بغیر شعر کا داخلی اور خارجی حسن ابھارتا ہے۔ شاید اس کی سادگی ہی اس کا حسن ہے۔ شاید اس کی خودروئیدگی ہی اس کا وقار ہے۔ چنانچہ دیکھئے کہ اس کی پر اعتماد آواز قاری کا تعاقب کرتی ہے اور اسے دعوت دیتی ہے کہ وہ مڑ کر دیکھے اور اس آواز پر لپک کر پتھر ہو جائے۔

....

اکبر حمیدی (اسلام آباد)

"سلگتے خواب" کی شاعری حیدرقریشی کے مزاج کی آئینہ دار ہے۔ اس شاعری کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ حیدرقریشی کا مسئلہ کیا ہے؟ اور وہ غزلیں کیوں کہہ رہا ہے؟ ان سوالات کے تناظر میں دیکھا

جائے تو حیدر قریشی ایک ایسا شاعر ہے جس کی شاعری سچ بولتی ہے اور اپنے جذباتی مسائل کے حوالے سے اپنی پہچان کرواتی ہے۔۔اس کے مسائل اس کے حقیقی مسائل ہیں اور ان مسائل کو شعری لباس پہنا کر اس نے جدید غزل میں اضافہ کیا ہے۔ یوں اس کا شمار آج کے اہم شاعروں میں ہوتا ہے۔ وہ بے حد اوریجنل ہے۔اس لئے اردو کی جدید غزل کو حیدر قریشی جیسے شاعروں کی بہت ضرورت ہے جو اپنے منفرد تجربوں اور نفسی وارداتوں کے ذریعے اس کے دامن پر جذبوں کے نئے نئے چاند سورج سجاتے جائیں!!

....

ناصر عباس نیر(لاہور)

حیدر قریشی کے ہاں ناموجود کو مس کرنے کی لگن ایک زندہ ارضی تجربے کی کوکھ سے پھوٹی ہے،اس لیے اس میں توازن اور اعتدال کی ایک دلآویز کیفیت ہے۔جدیدیت کے رسیا اکثر شعرا کے ہاں "نامعلوم کے اسرار" کے نام سے بے معنی ابہام اور بے کنار تجریدیت پائی جاتی ہے۔قاری اس کا سامنا کر کے خوف ناک اجنبیت محسوس کرتا ہے اور بدکتا ہے۔حیدر قریشی کے لیے شعری تجربہ اہم ہے۔لہذا اس کے ہاں ناموجود کے اسرار یا مضامین نو ایک بالکل قدرتی اور متوازن انداز میں بتدریج ابھرتے چلے آئے ہیں۔

....

نجمہ منصور(سرگودھا)

☆☆پوری کتاب (سلگتے خواب) مجھے اتنی اچھی لگی کہ میں نے اسے بار بار پڑھا اور ہر بار ایک نیا پن محسوس کیا۔آپ کا ہر شعر قاری کو اپنی طرف اس طرح متوجہ کرتا ہے کہ نہ صرف وہ اسے پڑھتا ہے بلکہ دل میں اتار لیتا ہے۔

....

نوٹ:''سلگتے خواب'' کے پہلے ایڈیشن میں میرزا ادیب کی رائے کا مختصر اقتباس دیا گیا تھا۔تاہم یہ رائے انہیں دنوں میں دو رسائل میں شائع ہوگئی تھی۔اب یہاں میرزا ادیب صاحب کی پوری رائے شامل کر دی گئی ہے۔''سلگتے خواب'' کی اشاعت کے بعد ادیبوں نے مضامین اور تاثرات کی صورت جو کچھ لکھا تھا ان میں سے چند احباب کے اقتباس اس انٹرنیٹ ایڈیشن میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔(ح۔ق)

بھر کے آنکھوں میں سلگتے خواب اُس کی یاد
مجھ کو سوتے میں بھی حیدؔر جاگتا رکھا گیا

عجیب کرب و بلا کی ہے رات آنکھوں میں
سسکتی پیاس لبوں پر فرات آنکھوں میں

پھر اس کو دامنِ دِل میں کہاں کہاں رکھیں
سمیٹ سکتے ہیں جو کائنات آنکھوں میں

تمھیں تو گردشِ دوراں نے روند ڈالا ہے
رہی نہ کوئی بھی پہلی سی بات آنکھوں میں

قطار وار ستاروں کی جگمگاہٹ سے
سجا کے لائے ہیں غم کی برات آنکھوں میں

وہ بے وفا کبھی اتنا بھی کب تھا بے گانہ
نہ بے رُخی، نہ کوئی التفات آنکھوں میں

بکھر گئے ہیں مِلن کے تمام دن حیدرؔ
ٹھہر گئی ہے جدائی کی رات آنکھوں میں

☆☆☆

لفظ تیری یاد کے سب بے صدا کر آئے ہیں
سارے منظر آئنوں سے خود مٹا کر آئے ہیں

ایک لمحے میں کئی برسوں کے ناطے توڑ کر
سوچتے ہیں، اپنے ہاتھوں سے یہ کیا کر آئے ہیں

راستے تو کھو چکے تھے اپنی ہر پہچان تک
ہم جنازے منزلوں کے خود اُٹھا کر آئے ہیں

سارے رشتے جھوٹ ہیں، سارے تعلق پُر فریب
پھر بھی سب قائم رہیں یہ بد دعا کر آئے ہیں

ہر چھلکتے اشک میں تصویر جھلکے گی تِری
نقش پانی پر تِرا اَن مِٹ بنا کر آئے ہیں

موت سے پہلے جہاں میں چند سانسوں کا عذاب
زندگی! جو قرض تیرا تھا ادا کر آئے ہیں

سارے شکوے بھول کر آؤ ملیں حیدؔر اُنھیں
وہ گئے لمحوں کو پھر واپس بُلا کر آئے ہیں

☆☆☆

مِرے بدن پہ ترے وصل کے گلاب لگے
یہ میری آنکھوں میں، کس رُت میں کیسے خواب لگے

نہ پُورا سوچ سکوں، چھوسکوں، نہ پڑھ پاؤں
کبھی وہ چاند، کبھی گُل، کبھی کتاب لگے

نہیں ملا تھا تو برسوں گزر گئے یوں ہی
پر اب تو اس کے بِنا ہر گھڑی عذاب لگے

تمہارے ملنے کا مل کر بھی کب یقیں آیا
یہ سلسلہ ہی محبت کا اک سراب لگے

یہ میرے جسم پہ کیسا خمار چھایا ہے
تمہارے جسم میں شامل مجھے شراب لگے

ہمیں تو اچھا ہی لگتا رہے گا وہ حیدرؔ
بلا سے ہم اُسے اچھے لگے، خراب لگے

☆☆☆

کچھ کہہ رہی ہے پھر مِری افسردگی مجھے
شاید کسی کی یاد نے چھیڑا ابھی مجھے

میں منزلوں کی کھوج میں خود سے بچھڑ گیا
پھر عُمر بھر تلاش ہی اپنی رہی مجھے

انجانے راستے سبھی جانے ہوئے لگے
لگتی تھی اجنبی مِری آوارگی مجھے

وسعت میں لامکان کی اب کھو چکا ہوں میں
کس نے فصیلِ وقت سے آواز دی مجھے

مرجھا چکے ہیں پھول تری یاد کے مگر
محسوس ہو رہی ہے عجب تازگی مجھے

دیکھا خلوص موت کا تو یاد آ گیا
کتنے فریب دیتی رہی زندگی مجھے

☆☆☆

پیاسے سمندروں کی طرح تیرتے رہے
اپنے مقدّروں کا لکھا سوچتے رہے

شب بھر اُتارتے رہے پلکوں پہ چاندنی
تم بوند بوند روشنی میں ڈوبتے رہے

جاگے ہیں میرے ذہن میں جب بھی ترے خیال
خوابوں کے شہر بنتے رہے، ٹوٹتے رہے

خاموشیوں کے لب پہ کوئی گیت تھا رواں
گہری اداسیوں کے کنول جھومتے رہے

رقصاں تھی اِس طرح تری یادوں کی آبشار
کہسار دل کے، جھانجھروں سے گونجتے رہے

تھی کتنے موسموں کی مہک اُس کے جسم میں
سانسوں کی تیز آنچ میں ہم بھیگتے رہے

☆☆☆

خلاف دنیا کی کیا کیا گواہیاں نہ گئیں
گناہِ عشق کی پر بے گناہیاں نہ گئیں

فقیر بن گئے تیری محبتوں کے اسیر
مگر مزاج کی وہ بادشاہیاں نہ گئیں

دُکھوں کے داغوں کے کتنے چراغ روشن ہیں
مِرے نصیب کی لیکن سیاہیاں نہ گئیں

بہاریں لاکھ سجاتی رہیں، مگر دل سے
تمہارے پیار کی ڈھائی تباہیاں نہ گئیں

مِرے ہی خواب کنوارے نہیں رہے اب تو
کہ آرزوئیں تری بھی بیاہیاں نہ گئیں

تمہیں نے تھوڑا سا خود کو جھکالیا ہوتا
چلو ہماری اگر کج کلاہیاں نہ گئیں

کسی پہ اب کوئی الزام کیا دھریں حیدرؔ
محبتیں تو ہمیں سے نباہیاں نہ گئیں

☆☆☆

اِس طرح شہرِ اَنا پر میں تباہی مانگوں
اپنے ''ہونے'' سے ''نہ ہونے'' کی گواہی مانگوں

اُس کے ہونٹوں پہ میں پھر مہکوں تمنا بن کر
پھر وہ چاہت جو کبھی اُس نے تھی چاہی مانگوں

یہ تو ہوگا کہ میں بھڑکوں گا یا بجھ جاؤں گا
یوں سلگنے سے تو بہتر ہے ہوا ہی مانگوں

اُس کو پانے کی تمنا پہ یقیں کب ہے، مگر
ہاتھ جب اُٹھ ہی گئے ہیں تو دعا ہی مانگوں

اپنی کچھ نیکیاں لکھنے کے لئے بھی حیدرؔ
اپنے ناکردہ گناہوں سے سیاہی مانگوں

☆☆☆

روشنی روشنی سی ہر سُو ہے
یہ ترا دھیان ہے کہ خود تُو ہے

جب تلک دیکھوں اک گلاب ہے وہ
اور چھونے لگوں تو خوشبو ہے

ہاتھ آتی نہیں دھنک جیسے
وہ بھی رنگوں کا ایک جادُو ہے

اُس نے پتھرا دیا مجھے حیدرؔ
دیکھنے میں جو آئینہ رو ہے

☆☆☆

کسی بھی لفظ کا جادو اَثر نہیں کرتا
وہ اپنے دل کی مجھے بھی خبر نہیں کرتا

بنا ہوا ہے بظاہر وہ بے تعلق بھی
جو مجھ کو سوچے بِنا دن بسر نہیں کرتا

ٹھہرنے بھی نہیں دیتا ہے اپنے دل میں مجھے
محبّتیں بھی مِری دل بدر نہیں کرتا

لبوں میں جس کے محبت کا اسمِ اعظم ہے
نجانے پیار کو وہ کیوں اَمر نہیں کرتا

نہیں بساتا جو آ کر بھی شہرِ دل میرا
یہاں سے جا کے بھی اِس کو کھنڈر نہیں کرتا

اُدھر کی مجھ سے چھپاتا نہیں ہے بات کوئی
وہ میری باتیں کبھی بھی اُدھر نہیں کرتا

عجیب طور طریقے ہیں اُس کے بھی حیدرؔ
وہ مجھ سے پیار تو کرتا ہے، پر نہیں کرتا

☆☆☆

خود اپنے ہونٹوں پہ صدیوں کی پیاس رکھتا ہے
وہ ایک شخص جو مجھ کو اُداس رکھتا ہے

نہیں وہ رنگ پہ رنگوں سا عکس ہے اُس کا
نہیں وہ پھول پہ پھولوں سی باس رکھتا ہے

یہ اور بات کہ اِقرار کر نہیں پاتا
مگر وہ دل تو محبت شناس رکھتا ہے

نہیں ہے کوئی بھی اُمید جس کے آنے کی
دل اُس کے آنے کے سوسو قیاس رکھتا ہے

جو تجھ کو ملنے سے پہلے بچھڑ گیا حیدرؔ
تُو کس طرح اُسے پانے کی آس رکھتا ہے

☆☆☆

اداس لمحوں کے ہونٹوں میں تازگی بھر دو
بجھے ہوئے مِرے چہرے میں روشنی بھر دو

میں اپنے ’’ہونے‘‘ کے احساس سے ہراساں ہوں
مِرے شعور میں کچھ کیفِ بے خودی بھردو

کنواری رات کے سینے سے کھینچ کر آنچل
اُفق کی زردیوں میں حُسنِ تیرگی بھردو

وہ جب خلوص کی قیمت چُکانے آیا ہے
تو میرے ذہن میں بھی رنگِ تاجری بھر دو

چلو پھر آنکھیں کرو چار موت سے حیدرؔ
پھر آج موت کی آنکھوں میں زندگی بھر دو

☆☆☆

دلوں میں دشمنوں کے اِس طرح ڈر بول اُٹھتے ہیں
گواہی کو چھپاتے ہیں تو منظر بول اُٹھتے ہیں

مِری سچائی، میری بے گناہی سب پہ ظاہر ہے
کہ اب جنگل، کنویں، صحرا، سمندر بول اُٹھتے ہیں

وہ پتھر دل سہی لیکن ہمارا بھی یہ دعویٰ ہے
ہمارے لب جنھیں چھو لیں وہ پتھر بول اٹھتے ہیں

بدل جاتے ہیں اک لمحے میں ہی تاریخ کے دھارے
کبھی جو موج میں آ کر قلندر بول اٹھتے ہیں

یہ کیا جادو ہے وہ جب بھی مِرے ملنے کو آتا ہے
خوشی سے گھر کے سب دیوار اور دَر بول اٹھتے ہیں

زُبانِ حق کسی کے جبر سے بھی رُک نہیں سکتی
کہ نیزے کی اَنی پر بھی ٹنگے سر بول اٹھتے ہیں

لبوں کی قید سے کیا فرق آیا دل کی باتوں میں
کہ سارے لفظ آنکھوں سے اُبھر کر بول اٹھتے ہیں

عجب اہلِ ستم، اہلِ وفا میں ٹھَن گئی حیدرؔ
ستم کرتے ہیں وہ اور یہ ''مکرر'' بول اٹھتے ہیں

☆☆☆

بہت چالاک ہوتے جا رہے ہو
بڑے بے باک ہوتے جا رہے ہو

تجاوز مت کرو حدّ گماں سے
یقیں، ادراک ہوتے جا رہے ہو

دلوں کا خون کرنے لگ گئے ہو
بڑے سفّاک ہوتے جا رہے ہو

کہاں ہے وہ تمہاری خوش لباسی
گریباں چاک ہوتے جا رہے ہو

دُکھوں کی آگ میں جلتے رہو، اور
سمجھ لو پاک ہوتے جا رہے ہو

نہ آندھی ہے نہ کوئی سیل پھر بھی
خس و خاشاک ہوتے جا رہے ہو

کبھی تم چاند سے بڑھ کر تھے حیدرؔ
مگر اب خاک ہوتے جا رہے ہو

☆☆☆

جب تیر چل گیا تو کماں بھی نہیں رہی
لگتا تھا جیسے جسم میں جاں بھی نہیں رہی

سارے حَسین بیچتے پھرتے ہیں شہر میں
جنسِ وفا اب ایسی گراں بھی نہیں رہی

وہ مسکرا کے پوچھتے تھے مدعائے دل
اور اپنے منہ میں جیسے زباں بھی نہیں رہی

خواہش وصالِ یار کی زندہ ہے آج بھی
لیکن یہ پہلے جیسی جواں بھی نہیں رہی

اُس سے بچھڑ کے آئینہ دیکھا تو یوں لگا
ہاتھوں میں اپنے عمرِ رواں بھی نہیں رہی

شہرِ ستمگراں میں پتہ ڈھونڈیئے کہیں
شہرِ اماں میں جائے اماں بھی نہیں رہی

اُس کے لبوں پہ میری محبت کے واسطے
اِنکار بھی نہیں تھا تو ہاں بھی نہیں رہی

رسمِ وفا تو اگلے زمانوں کی بات ہے
اب اپنے بیچ رسمِ جہاں بھی نہیں رہی

حیدرؔ اب اپنی عادتیں، اَطوار ٹھیک کر
ابا بھی چل بسے تری ماں بھی نہیں رہی

☆☆☆

فاصلہ سا کچھ ہمارے درمیاں ہونے کو ہے
یعنی تھوڑا فائدہ، تھوڑا زیاں ہونے کو ہے

آج کل اُس کی ہوائیں اور فضائیں اور ہیں
ایسے لگتا ہے کہ دھرتی آسماں ہونے کو ہے

خود کو کیا سمجھاؤں اور لوگوں سے کیا بحثیں کروں
خود دلِ خوش فہم تجھ سے بدگماں ہونے کو ہے

کاروبارِ عشق سے مل جائیں گی پھر فرصتیں
چند برسوں تک مِرا بیٹا جواں ہونے کو ہے

دل ہی جب اُس شوخ کی چاہت سے اپنا بھر گیا
اب یہ سنتے ہیں وہ ہم پر مہرباں ہونے کو ہے

آتے آتے عقل بھی آخر ہمیں آنے لگی
ذہن و دل سے حُسن کا جادو دُھواں ہونے کو ہے

بیٹھے بیٹھے ہی جو اتنے شعر حیدؔر ہو گئے
اس کا مطلب ہے، طبیعت پھر رواں ہونے کو ہے

☆☆☆

جہاں بھر میں ہمارے عشق کی تشہیر ہوجائے
اُسے کس نے کہا تھا دل پہ یوں تحریر ہو جائے

میں سچا ہوں تو پھر آئے مِری تقدیر ہوجائے
میں جھوٹا ہوں تو میرے جرم کی تعزیر ہوجائے

میں اپنے خواب سے کہتا ہوں آنکھوں سے نکل آئے
ذرا آگے بڑھے اور خواب سے تعبیر ہوجائے

زباں ایسی کہ ہر اک لفظ مرہم سا لگے اُس کا
نظر ایسی کہ اُٹھتے ہی دلوں میں تیر ہو جائے

وہ ہر پَل جس میں اپنے پیار کی یادیں دھڑکتی ہیں
مِری جاگیر ہو جائے، تجھے زنجیر ہو جائے

سب کچھ تو رہا ہوگا ترے حیدؔر کی حالت کا
کبھی جو بے سبب ہنس دے، کبھی دلگیر ہوجائے

☆☆☆

اب کے جدائیوں میں بھی رنگِ وصال ہے
بے دَم ہوں میں اِدھر تو اُدھر وہ نڈھال ہے

ہم تو سمجھ رہے تھے کہ وقتی اُبال ہے
اب ماننا پڑا کہ محبت وبال ہے

خاموش کب ہے، دل تو سراپا سوال ہے
اور پھر سوال بھی بڑا مشکل، محال ہے

وہ چاند وہ گلاب، وہ پتھر، وہ آگ بھی
جیسی مثال دیجئے برحق مثال ہے

اُس کی محبتوں کا بھرم کب کا کھل چکا
لیکن یہ دل کہ پھر بھی بڑا خوش خیال ہے

اک سال اُس کو بھولنے میں لگ ہی جائے گا
پر یہ بھی سوچ لو کہ ابھی پورا سال ہے

اب حمد و نعت لکھ کے کماؤں گا کچھ ثواب
وہ کھوگیا جو میری غزل کا غزال ہے

تجھ کو جدائیوں کے کڑے تجربے سہی
لیکن بچھڑ کے مجھ سے کہو کیسا حال ہے

شک ہورہا ہے مجھ کو میں مرتو نہیں گیا
دل کو کوئی خوشی ہے نہ کوئی ملال ہے

بے خانماں یہ شخص کہ حیدرؔ ہے جس کا نام
اے ارضِ پاک دیکھ لے تیرا ہی لال ہے

☆☆☆

خود اپنے حُسن کے نشے میں چُور لگتا ہے
جو سر سے پاؤں تلک رنگ و نُور لگتا ہے

اُتر رہے ہیں عجب قہر فاصلے اب کے
وہ پاس آئے تو کچھ اور دُور لگتا ہے

اگرچہ رشتہ بھی اُس سے کوئی نہیں لیکن
وہ کچھ نہ کچھ تو ہمارا ضرور لگتا ہے

یہ عشق وِشق، یہ ساری محبتیں حیدؔر
مجھے تو سب ترے دل کا فتور لگتا ہے

☆☆☆

یہ گفتگو نہ کرو اب کہانیوں کی طرح
اگر ہے پیار تو کھُل جاؤ جانیوں کی طرح

حقیقتوں کے سرابوں میں کھو چلا ہوں میں
یقیں دلاؤ مجھے بدگمانیوں کی طرح

نجانے کب کوئی آ کر بجھائے پیاس مری
میں کتنی صدیوں سے پیاسا ہوں پانیوں کی طرح

اب اعتبار کرو میرے سبز باغوں کا
کہ یہ بھی سچے ہیں اٹھتی جوانیوں کی طرح

عبث ہے اب تو تلاش اور جستجو حیدؔر
وہ کھو چکے ہیں وفا کی نشانیوں کی طرح

☆☆☆

مجھ سے تیری یاد کے سائے بھی کترانے لگے
پھول تیری چاہتوں کے اب تو مُرجھانے لگے

لمحہ لمحہ ٹوٹ کر خود سے بچھڑتا ہی رہے
یوں نہ ہو تو وقت کا پھر سانس رُک جانے لگے

انتہائے اجنبیت میں وہ آیا ہے مقام
اجنبی سارے کے سارے جانے پہچانے لگے

سوچ کے پھیلے ہوئے صحرا میں تنہا دیکھ کر
پھر سرابوں کے حقائق مجھ کو بہکانے لگے

کس کی سازش تھی کہ سائے رُخ بدلنے لگ گئے
ہم جہاں بھی چند گھڑیاں رُک کے سستانے لگے

☆☆☆

لے نہ ڈوبے خواہشوں کا یہ تلاطم دیکھنا
ہو نہ جانا خود بھی اِس طوفان میں گم دیکھنا

اُس سے آنکھیں چار کرنے کا کہاں ہے حوصلہ
جب وہ اپنے دھیان میں ہو تب اُسے تم دیکھنا

ساعتِ اظہار سے اقرار کے لمحے تلک
لفظ معنی ہی نہ کر بیٹھیں کہیں گم دیکھنا

ساری گھڑیاں اِس ملن رُت کی گزر بھی جائیں گی
اور تُو بیٹھا رہے گا یوں ہی گم صم دیکھنا

اُس کی خاطر ہی سہی حیدرؔ ذرا محتاط ہو
ورنہ پڑ جائے گی تیرے عشق کی دُھم دیکھنا

☆☆☆

اگر ہم پر عنایت ہی، نہ کچھ اکرام ہونا تھا
ترے قہر وغضب ہی کا کوئی انعام ہونا تھا

تمہارا عشق بھی ہم سے ادھورا رہ گیا جاناں
جہاں میں ہم سے حالانکہ یہی اک کام ہونا تھا

ہرا سکتا نہ تھا ویسے تو کوئی بھی مگر مجھ کو
کسی کی کامیابی کے لئے ناکام ہونا تھا

مشینوں کے اس عہدِ ناروا کا میں ہی یوسف ہوں
مجھے اس نوکری کی شکل میں نیلام ہونا تھا

کسی کا جھوٹ جب اِس عہد کی سچائی کہلایا
ہمارا سچ تو خود ہی موردِ الزام ہونا تھا

دلوں کے کھیل میں پانسا پلٹ کر رہ گیا کیسے
ہمیں بے نام ہونا تھا کسی کا نام ہونا تھا

جو اُس کے وصل کے حقدار ٹھہرے اور تھے حیدرؔ
ہمیں تو صرف اُس کے عشق میں بدنام ہونا تھا

☆☆☆

تمہارے عشق میں کس کس طرح خراب ہوئے
رہا نہ عالمِ ہجراں، نہ وصل یاب ہوئے

بس اتنی بات تھی دو دل کبھی نہ مل پائیں
کہیں پہ تپتے ہوئے تھل، کہیں چناب ہوئے

عجب سزا ہے کہ میرے دعاؤں والے حروف
نہ مسترد ہوئے اب تک، نہ مستجاب ہوئے

ذہانتیں تھیں تری یا اناڑی پن اپنا
سوالِ وصل سے پہلے ہی لاجواب ہوئے

حقیقت اتنی ہے اُس کے مِرے تعلق کی
کسی کے دکھ تھے مِرے نام انتساب ہوئے

جسے سمجھتے تھے صحرا وہ اک سمندر تھا
کھلا وہ شخص تو ہم کیسے آب آب ہوئے

نہ آیا ڈھنگ ہمیں کوئی عشق کا حیدرؔ
نہ دل کے زخموں کے ہم سے کبھی حساب ہوئے

☆☆☆

وہ جو خوشبوؤں کا خرام ہے جو دھنک کا عکسِ جمیل ہے
مِرے اُس کے بیچ کوئی عجیب سے فاصلوں کی فصیل ہے

کئی خوش نظر سے گماں لئے، گئے ہم بھی کاسۂ جاں لیے
پڑا واسطہ تو پتہ چلا وہ سخی بھی کتنا بخیل ہے

سبھی استعارے، علامتیں بھی بجا ہیں اُس کے لئے مگر
وہ تو آپ اپنی مثال ہے، وہ تو آپ اپنی دلیل ہے

یہ محبتیں بھی ہیں روگ تو یہ اَنا بھی جیسے عذاب ہو
اُسے پوچھنے بھی نہ جاسکے جو کئی دنوں سے علیل ہے

کئی منظروں سے گزر رہا ہے تری طلب میں یہ دل مِرا
کبھی خواہشوں کا ہے دشت تو کبھی آرزوؤں کی جھیل ہے

مِرا طرزِ عشق بھی منفرد، ہے جنون بھی مِرا مختلف
نہ کسی کی مثل میں ہو سکا نہ ہی کوئی میرا مثیل ہے

یہ بجا کہ تم پہ ہوئے ستم، پر اَے میرے حیدرؔ بے علَم
نہ کوئی تمہارا گواہ تھا نہ کوئی تمہارا وکیل ہے

☆☆☆

اندر کی دنیائیں مِلا کے ایک نگر ہو جائیں
یا پھر آؤ مل کر ٹوٹیں اور کھنڈر ہو جائیں

ایک نماز پڑھیں یوں دونوں اور دعا یوں مانگیں
یا سجدے سے سر نہ اٹھیں یا لفظ اثر ہو جائیں

خیر اور شر کی آمیزش اور آویزش سے نکھریں
بھول اور توبہ کرتے سارے سانس بسر ہو جائیں

ہم ازلی آوارہ جن کا گھر ہی نہیں ہے کوئی
لیکن جن رستوں سے گزریں رستے گھر ہو جائیں

ایک گنہ جو فانی کر کے چھوڑ گیا دھرتی پر
وہی گنہ دوبارہ کرلیں اور اَمر ہوجائیں

صوفی، سادھو بن کر تیری کھوج میں ایسے نکلیں
خود ہی اپنا رستہ، منزل اور سفر ہوجائیں

رزق کی تنگی، عشق کا روگ اور لوگ منافق سارے
آؤ ایسے شہر سے حیدؔر شہر بدر ہوجا

☆☆☆

تم نے کبھی زخموں کے نگینے نہیں دیکھے
عشاق کے دہکے ہوئے سینے نہیں دیکھے

لہروں سے پتہ پوچھتے پھرتے تھے بھنور کا
دریا نے کبھی ایسے سفینے نہیں دیکھے

اُس نے تو دکھائے تھے کئی خواب کے منظر
نادان تھے ہم آپ ہی نے نہیں دیکھے

ہے ماہِ شبِ ہجر بھی وہ ماہِ وصالاں
یوں جمع کبھی دونوں مہینے نہیں دیکھے

الزام سبھی تیرے سجا لیتے ہیں خود پر
ہم جیسے زمانے نے کمینے نہیں دیکھے

وہ بھید، وہ اَسرار کھُلے مجھ پہ بدن کے
دنیا میں ابھی تک جو کسی نے نہیں دیکھے

کیا دامنِ دل بھرتا کہ حیدؔر کے جہاں پر
کشکول بھی آنکھوں کے سخی نے نہیں دیکھے

☆☆☆

سامنے ہے گھر مگر مفقود گھر کے راستے
کھو گئے آخر کہاں معبود گھر کے راستے

فاصلہ ہو دل میں تو ہیں دوریاں ہی دوریاں
دل کشادہ ہو تو ہیں محدود گھر کے راستے

دشتِ حیرت میں کھڑا ہوں چشمِ حیرت وا کیے
ہیں ابھی غائب، ابھی موجود گھر کے راستے

پھیلتی جاتی ہیں کیسی خوشبوئیں چاروں طرف
ہو گئے کس کے لئے مسجود گھر کے راستے

اُس نے آنا ہی نہیں تھا اِس محلے کی طرف
ہم سجاتے ہی رہے بے سود گھر کے راستے

ابرِ رحمت اب کے حیدؔر بن گیا جیسے عذاب
کر دیئے برسات نے مسدود گھر کے راستے

☆☆☆

بیتی یادیں پرو رہا تھا وہ
لوگ کہتے ہیں رو رہا تھا وہ

اپنی آنکھوں کی چاندنی لے کر
میرے خوابوں میں سو رہا تھا وہ

اُگ رہا تھا درخت سورج کا
جب ستاروں کو بو رہا تھا وہ

میری آنکھوں کے خشک موسم کو
بارشوں سے بھگو رہا تھا وہ

شب گزیدہ جسے سمجھتے تھے
صبح کا چہرہ دھو رہا تھا وہ

ڈس گئے جب یقین کے آسیب
کتنا مشکوک ہو رہا تھا وہ

☆☆☆

پھر کوئی غم حَسِین ڈھونڈتا ہے
دل نیا ہم نشین ڈھونڈتا ہے

اک فریبی کا شُوکتا سا پیار
رُوح کی آستین ڈھونڈتا ہے

عشق کا بھید پاسکا ہے کون
لامکاں کو مکین ڈھونڈتا ہے

ارضِ بصرہ تمہاری گلیوں میں
کعبہ کس کی جبین ڈھونڈتا ہے

حوصلہ دیکھ اک اسیرِ خاک
آسماں کی زمین ڈھونڈتا ہے

دل کو پھر ہورہا ہے شوقِ گنہ
پھر بہشتِ برین ڈھونڈتا ہے

حیدؔر اپنے گلاب رکھتے ہوئے
کیا گُلِ یاسمین ڈھونڈتا ہے

☆☆☆

شہرِ غم کے امیر بھی ہم ہیں
اور تیرے فقیر بھی ہم ہیں

سخت پتھر سہی تمہارا دل
لیکن اس پہ لکیر بھی ہم ہیں

تیرا انکار بھی ہمیں کو ہے
اور تیرے اَسیر بھی ہم ہیں

کل ہمیں خود عظیم مانے گا
آج بے شک حقیر بھی ہم ہیں

بھید اپنے فقط ہمیں جانیں
اپنے منکر نکیر بھی ہم ہیں

جب سے حیدؔر ہوئے مرید ان کے
تب سے پیروں کے پیر بھی ہم ہیں

☆☆☆

ایک اَن دیکھے کی سوچوں میں گھرا رہتا ہوں میں
اُس کی آنکھیں، اُس کا چہرہ سوچتا رہتا ہوں میں

اُس کے ہونٹوں کا تبسم، اُس کے پیکر کی مہک
خود سے ہی کیا کیا نہ جانے پوچھتا رہتاہوں میں

کردیا ہے اُس نے کن خوش فہمیوں میں مبتلا
اُس کے خالی خط کے معنی ڈھونڈتا رہتا ہوں میں

وہ بھی اپنے آئینے میں دیکھتا ہوگا مجھے
جس کو اپنے آئینے میں دیکھتا رہتا ہوں میں

خواہشوں کی تتلیوں کے ساتھ اڑتا ہوں مگر
وسوسوں کے سامنے بے دست و پا رہتا ہوں میں

کون ہے جو رُوح میں میری سرایت کر گیا
رات دن کس کے خیالوں میں پڑا رہتا رہتا ہوں میں

دل کے دروازے پہ دستک دے کے چھپ جاتا ہے وہ
اور اپنے سامنے حیدؔر کھڑا رہتا ہوں میں

☆☆☆

عذاب فاصلوں کا قربتوں کے رستے میں
یہ خواہشوں کے سفر خامشی کے سینے میں

میں دُھوپ بن کے جب آنگن میں اُس کے اُترا تھا
سمٹ گیا تھا وہ اپنی اَنا کے سائے میں

اُسے خبر ہی نہیں جس کی خوشبوؤں کے لئے
ٹھہر گئی تھیں کئی صدیاں ایک لمحے میں

کچھ ایسے آتے رہے اُس کے لمس کے جھونکے
دھنک اترتی گئی دل کے ذرّے ذرّے میں

وہ میرے خواب کوئی جوڑنے لگا حیدؔر
وہ روشنی کوئی چمکی مِرے اندھیرے میں

☆☆☆

نیکی کی راہ میں کوئی بدنام مرگیا
قربِ خدا سے شاعرِ الہام مرگیا

دانائیوں کے زعم میں جاہل ہی وہ رہا
مشہور آدمی تھا سو بے نام مرگیا

اپنے لہو کی سُرخی اُفق پر اچھالتا
سورج کو کیا ہوا کہ سرِشام مرگیا

اچھا ہوا کہ ہم سے محبت نہیں تمہیں
اچھا ہوا کہ دل کا یہ ابہام مرگیا

حیدؔر شرافتوں کا جو الزام ہم پہ تھا
لو آج اپنی موت یہ الزام مرگیا

☆☆☆

جو اپنی ذات میں سمٹا ہوا تھا
سمندر کی طرح پھیلا ہوا تھا

مِرے ہاتھوں میں ہی تھے چند پتھر
میں شیشے کی طرح ٹُوٹا ہوا تھا

ہوا شہکار جب اُس کا مکمل
وہ اپنے خون میں ڈوبا ہوا تھا

شبِ تنہائی میں اک شخص دل پر
اُجالے کی طرح بکھرا ہوا تھا

پتہ وہ دے رہا تھا منزلوں کا
جو خود ہی راہ سے بھٹکا ہوا تھا

بلاتا کس طرح پھر خود کو حیدؔر
میں اپنے آپ سے روٹھا ہوا تھا

☆☆☆

نہ جانے کون سازشوں کا ہم شکار ہوگئے
کہ جتنے صاف دل تھے اُتنے داغ دار ہوگئے

بھرم بھی بے وفائی کا ہمیں کو رکھنا پڑ گیا
تمام بے وفا ہی جب وفا شعار ہوگئے

ہماری نیک نامیوں کا بوجھ اتنا بڑھ گیا
کہ نیکیوں سے تھک کے ہم گناہ گار ہوگئے

کسی کے گاؤں جا کے دل میں آبلے سے پڑ گئے
گلاب جیسے لوگ تھے کہ خار خار ہوگئے

یہ سوچ لیجئے آئینہ ہے آئینے کے سامنے
جو ہم ہوئے تو آپ بھی بے اعتبار ہوگئے

خزاں کے سرد ہاتھ سے جنہیں بچا کے لائے تھے
بہار پر وہ بدنصیب پھول بار ہوگئے

کنارِ آب حیدرؔ اپنا منہ لئے کھڑے رہے
گھڑے کے بدلے کار میں وہ پُل سے پار ہوگئے

☆☆☆

وہ پچھلی گھڑی شب کی، وہ خوف زدہ چہرہ
سو پایا نہ اک پَل بھی خوابوں سے ڈرا چہرہ

تسخیرِ خلا سے بھی مفہوم نہیں بدلا
پتھر ہے ترا دل تو، ہے چاند ترا چہرہ

یادوں کے جزیرے میں آیا تھا جو چپکے سے
اشکوں کے سمندر میں وہ ڈوب گیا چہرہ

بھولا ہی نہیں اب تک منظر وہ جدائی کا
وہ کھوئی ہوئی آنکھیں، وہ اُترا ہوا چہرہ

کہلاتا تھا جو خود کو معبود اُجالوں کا
دن کا ہی اُجالا تھا جب اُس کا بجھا چہرہ

میں جھیل کنارے پر بیٹھا تھا اکیلا ہی
جب جھیل کے پانی میں دیکھا تھا ترا چہرہ

یہ شہر ہے یا کوئی اوہام نگر حیدرؔ
ہر چہرہ یہاں پر ہے تشکیک زدہ چہر

☆☆☆

میرے اُس کے درمیاں جو فاصلہ رکھا گیا
اُس کے طے کرنے کو بھی اک راستہ رکھا گیا

عکس کھو جائیں اگر ہلکا سا کنکر بھی گرے
پانیوں میں ایک ایسا آئینہ رکھا گیا

سب تقاضے ویسے پورے ہوگئے انصاف کے
بس فقط محفوظ میرا فیصلہ رکھا گیا

نارسائی کی اذیت ہی رہی اپنا نصیب
مل گئیں روحیں تو جسموں کو جدا رکھا گیا

بھر کے آنکھوں میں سلگتے خواب اُس کی یاد کے
مجھ کو سوتے میں بھی حیؔدر جاگتا رکھا گیا

☆☆☆

مِری نیندیں بھی مہکانے لگے ہو
کہ خوابوں میں بھی دَر آنے لگے ہو

خیالوں پر مِرے چھائے ہو جب سے
بہت ہی خود پہ اِترانے لگے ہو

وصال وہجر یکجا کر دیا ہے
عجب اب کے ستم ڈھانے لگے ہو

ابھی آئی نہیں ملنے کی نوبت
ابھی سے ہی بچھڑ جانے لگے ہو

ذرا خوفِ خدا حیدؔر قریشی!
یہ کیسے شعر فرمانے لگے ہو

☆☆☆

وہ نفرتوں سے بھی دیکھے تو دل میں پیار اُگے
ہر ایک دھوکے پہ دل میں اک اعتبار اُگے

فریبِ وعدۂ جاناں نے جب سے سینچا ہے
مِری نگاہوں میں گُل ہائے انتظار اُگے

شریک تھی یہ چمن کی ہوا بھی سازش میں
اِسی لئے تو یہاں نفرتوں کے خار اُگے

خزاں رسیدہ سہی پھر بھی میں اگر چاہوں
جہاں نگاہ کروں اک نئی بہار اُگے

کوئی مسیح یقیناً پھر آ گیا حیدؔر
قدم قدم پہ جو پھر سے صلیب ودار اُگے

☆☆☆

رستے چلے گئے ہیں خرابوں کی جھیل میں
ہم تشنہ لب ہی رہ گئے خوابوں کی جھیل میں

اک ایک لفظ ہوگیا ہو بانجھ جس طرح
سوکھے ہیں یوں معانی کتابوں کی جھیل میں

کترائے وہ کبھی تو کبھی میں جھجک گیا
اک بھی کنول کھلا نہ حجابوں کی جھیل میں

اس زندگی کی ساری حقیقت ہے اک فریب
ہم تیرتے رہیں گے سرابوں کی جھیل میں

حیدر جب اس نے پلکیں اُٹھائیں تو یوں لگا
جیسے اتر گیا ہوں شرابوں کی جھیل میں

☆☆☆

جب آئے موسموں کی زد میں ساونوں کے بدن
ہوا میں بھیگ گئے ننگی بارشوں کے بدن

سُنائی دیتا ہے بہری سماعتوں کو شور
اُنہیں بُلاتے ہیں اَندھی بصارتوں کے بدن

عجیب حادثہ تھا آئینوں سے ٹکرا کر
خود اپنے خون میں ڈوبے تھے پتھروں کے بدن

ترے وصال کی یوں لذتیں اٹھاتا ہوں
کہ روز ملتے ہیں قدموں کی آہٹوں کے بدن

وہ سرد رات کی تنہائی اور یخ بستر
سلگ رہے تھے ہزاروں اداسیوں کے بدن

جو اپنی روح کے صحرا میں کھو گئے حیدؔر
وہ ڈھونڈ لیں گے خود اپنے سمندروں کے بدن

☆☆☆

کارِ جہاں بھی، عشق بھی کرنا نہ آسکا
جینے کا ڈھنگ کیا ہمیں مرنا نہ آسکا

تیری لگن میں تجھ سے بھی آگے نکل گئے
تیرے مسافروں کو ٹھہرنا نہ آسکا

ہم ایسے سخت جان تھے جو ٹوٹتے نہ تھے
کچھ ٹوٹ بھی گئے تو بکھرنا نہ آسکا

بس مسکرا کے پیار سے انکار کرگئے
اچھی طرح سے اُن کو مکرنا نہ آسکا

حیدرؔ ہم ان کے دل سے اُتر آئے خود مگر
اُن کو ہمارے دل سے اُترنا نہ آسکا

☆☆☆

آپ لوگوں کے کہے پر ہی اُکھڑ جاتے ہیں
لوگ تو جھوٹ بھی سو طرح کے گھڑ جاتے ہیں

آنکھ کس طرح کھلے میری کہ میں جانتا ہوں
آنکھ کھلتے ہی سبھی خواب اُجڑ جاتے ہیں

غم تمہارا نہیں جاناں ہمیں دُکھ اپنا ہے
تم بچھڑتے ہو تو ہم خود سے بچھڑ جاتے ہیں

لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر اَٹل ہوتی ہے
ہم نے دیکھا ہے مقدر بھی بگڑ جاتے ہیں

وہ جو حیدرؔ مِرے منکر تھے مِرے ذکر پہ اب
چونک اُٹھتے ہیں کسی سوچ میں پڑ جاتے ہیں

☆☆☆

لفظ اندھے ہوگئے، سوچوں کو پتھر کر گیا
ایک ہریالی کا پیکر دل کو بنجر کر گیا

چند لمحوں کے لئے ٹھہرا گھٹاؤں کی طرح
خالی آنکھوں کو مگر رنگوں کا منظر کر گیا

کون جانے اُس کی اپنی پیاس کا عالم ہو کیا
وہ جو میری رُوح کو پیاسا سمندر کر گیا

خود جہانِ شاعری کا تو خدا بے شک نہ تھا
شاعری کا وہ مگر مجھ کو قلندر کر گیا

یوں تو پہلے بھی وہ کرتا تھا اداس آ کر مگر
اب کے دل کی اور ہی حالت ستم گر کر گیا

خوشبوئیں اور دودھیا سی روشنی ہے چار سُو
کچھ کہو حیدؔر یہ جادو کون تم پر کر گیا

☆☆☆

قریب آ کے حَسیں واہموں میں چھوڑ گیا
عجیب عجیب سی خوش فہمیوں میں چھوڑ گیا

نظر سے دور ہے لیکن نظر میں ہے پھر بھی
کہ عکس اپنے مِرے آئنوں میں چھوڑ گیا

لکھی مسافتِ صحرائے آرزو جس نے
وہ میری آنکھوں کو کن پانیوں میں چھوڑ گیا

سماعتوں میں ابھی تک ہیں اُس کی چھکاریں
وہ ہم سفر جو مجھے راستوں میں چھوڑ گیا

وہ شہرِ خواب کا کوئی حَسیں مسافر تھا
جو عمر بھر کے لئے رَت جگوں میں چھوڑ گیا

قدم قدم پہ اُگائے بہار کے موسم
جو میرے دل کو خزاں موسموں میں چھوڑ گیا

ملا تھا گرچہ بچھڑنے کے واسطے حیدرؔ
وہ قربتوں کی مہک فاصلوں میں چھوڑ گیا

☆☆☆

اب تو جذبے زبان مانگتے ہیں
پَر بَریدہ اُڑان مانگتے ہیں

عشق کی پڑھنا چاہتے ہیں نماز
اور اِذنِ اذان مانگتے ہیں

دور سے صرف دیکھتے ہی رہیں
کب یہ ہفت آسمان مانگتے ہیں

ہم تہی دست آبروئے فقر
سود دے کر زیان مانگتے ہیں

دل کی اک بات کہنا ہے لیکن
پہلے جاں کی امان مانگتے ہیں

یا تو کچھ بھی نہیں ہیں مانگتے، یا
تیرے سارے جہان مانگتے ہیں

ایسی عمروں کے پیار تو حیدؔر
جسم و جاں سے لگان مانگتے ہیں

☆☆☆

اک یاد کا منظر سا خلاؤں پہ لکھا تھا
جب ٹوٹتے تاروں سے کوئی جھانک رہا تھا

ہر چہرے پہ تھی ثبت شناسائی کی تحریر
میں اجنبی لوگوں کے قبیلے میں گھِرا تھا

خوابوں کے جزیرے سے بلاتا ہی رہا وہ
میں اپنے کنارے سے اُتر بھی نہ سکا تھا

اب وہ بھی مجھے شعبدے لفظوں کے دکھائے
وہ جو مِری خاموش محبت کی صدا تھا

جو بخش گیا صدیوں کی مہکی ہوئی سوچیں
اک لمحۂ گزراں یا کوئی موجِ ہوا تھا

تُو جس کے لئے خود کو بھلا بیٹھا تھا حیدؔر
کیا اُس نے بھی بُھولے سے تجھے یاد کیا تھا

☆☆☆

وہ دکھائیں نہ مجھے اپنی اداؤں کا فریب
مجھ پہ ظاہر ہے سبھی اُن کی وفاؤں کا فریب

جیسے خاموشی چٹخنے کی صدا آئی ہو
یوں گرا ٹوٹ کے اِن زرد خزاؤں کا فریب

لُٹ گیا آج مِرے دیس کے سورج کا شباب
کھا گیا دُھوپ کو اِن کالی گھٹاؤں کا فریب

لَوٹ کر پھر مِری آواز نہ آئی حیدرؔ
ڈوب کر رہ گیا صحرا میں صداؤں کا فریب

☆☆☆

پلکوں پہ تیری یاد کے منظر بکھر گئے
جیسے ستارے سینۂ شب میں اُتر گئے

بے خواب راستوں میں کوئی پوچھتا پھرا
خوابوں کے شہر کے وہ مسافر کدھر گئے

ہم تشنگی میں ڈوبے ہوئے دیکھتے رہے
ٹھنڈی ہوا سے کھیلتے بادل گزر گئے

گھر تو ہے اپنا ایک سو ایسے بچھڑ لئے
تم اپنے گھر کو چل پڑے، ہم اپنے گھر گئے

ٹکرائے آئینوں سے جو پتھر پلٹ گئے
لیکن صداؤں کے جو جنازے ٹھہر گئے!

☆☆☆

خوشی حد سے زیادہ دے کے بھی برباد کرتا ہے
انوکھے ہی ستم دل پر، ستم ایجاد کرتا ہے

تماشہ سا تماشہ ہی بنا ڈالا مجھے اس نے
کبھی وہ قید کرتا ہے، کبھی آزاد کرتا ہے

عجب اب کے طلسمِ خامشی طاری کیا اُس نے
وہ جادوگر نہ کچھ سنتا نہ کچھ ارشاد کرتا ہے

سزائیں مل رہی ہے مجھ کو میرے نیک عملوں کی
گنہ سب میرے حصے کے مِرا ہمزاد کرتا ہے

یہی وہ خانماں ویراں ہے جس کو عشق کہتے ہیں
دلوں میں بستیاں غم کی یہی آباد کرتا ہے

عجب بے کیف سی ہے زندگی پچھلے مہینے سے
نہ کوئی یاد آتا ہے نہ کوئی یاد کرتا ہے

ستم گر حوصلے کی داد تو دینے لگا حیدرؔ
اگرچہ داد میں بھی وہ مجھے بے داد کرتا ہے

☆☆☆

یوں کسی کے ساتھ اپنا واسطہ رہ جائے گا
وہ چلا جائے گا لیکن خواب سا رہ جائے گا

دُور تک گو دُوریوں کا سلسلہ رہ جائے گا
خط اگر لکھتے رہو گے رابطہ رہ جائے گا

فاصلوں کا اِس طرح نازل ہوا ہم پر عذاب
مل بھی جائیں گے تو کوئی فاصلہ رہ جائے گا

پاس آ کر پڑھ نہ پائے گا کتابِ دل کبھی
وہ تو بس شیلفوں سے مجھ کو جھانکتا رہ جائے گا

ق

میں تو اُس کو دیکھ کر رہ جاؤں گا حیرت زدہ
وہ بھی مجھ کو دیکھ کر کچھ سوچتا رہ جائے گا

گفتگو ہر چند ہوگی لمحۂ موجود کی
دل نہ جانے کن زمانوں میں گھرا رہ جائے گا

رُت بدل جائے گی اُس کے جگمگاتے جسم کی
میری رگ رگ میں مگر اک ذائقہ رہ جائے گا

☆☆☆

وجود میرا اگر اُس پہ منکشف ہو جائے
مجھے یقین ہے وہ خود سے منحرف ہو جائے

میں روشنی ہوں تو اُترا ہوں روح تک اُس کی
وہ آئنہ ہے تو پھر مجھ پہ منعطف ہو جائے

جو منہ سے بنتا ہے منکر مِرا اُسے کہہ دو
کہ حوصلہ ہے تو دل سے بھی منحرف ہو جائے

وہ یوں نہ ترکِ تعلق کا خط بھی لکھ پایا
کہ لکھتے وقت کہیں خط نہ مختلف ہو جائے

بھٹکتا پھرتا ہے پھر کیوں مِرے خیالوں میں
وہ خود پسند ہے تو خود میں معتکف ہو جائے

نہ اعتراف بھی حیدرؔ کبھی کریں دونوں
اور اپنے پیار کی دنیا بھی معترف ہو جائے

☆☆☆

حدیثِ درد کی پہلے کوئی کتاب لکھو
پھر اہلِ جَور کے نام اُس کا انتساب لکھو

خوشی کے لمحے لکھو، عمرِ اضطراب لکھو
نکالو وقت کبھی عشق کا حساب لکھو

تمہارے خواب کی تعبیر اب پرائی سہی
تمہارا خواب تو اپنا ہے اپنا خواب لکھو

فقیہِ شہر کی باتوں کا احترام کرو
چمن کو دشت کہو، دشت کو چناب لکھو

زیادتی کی کوئی حد نہیں رہی حیدؔر
اب اُس کے جھوٹ کا آخر کوئی جواب لکھو

☆☆

ترے چمن میں جو کانٹا بنے نہ پھول ہوئے
وہ بارگاہِ بہاراں میں سب قبول ہوئے

اک اعتدال رہا عمر بھر عزیز ہمیں
نہ بے اصول بنے ہم، نہ با اصول ہوئے

کبھی تو مانگ کا سیندور بن ہی جائیں گے
اِس ایک آس پہ قدموں میں تیرے دھول ہوئے

چلو ہم عشق کی اک اور داستان بنیں
وہ اگلے عشق کے قصے تو اب فضول ہوئے

عنایت اُن کی اُنھیں یاد رہ گئے حیدؔر
وگرنہ ہم تو مقدّر کی ایک بھول ہوئے

☆☆☆

وہ خود فریبی کے لمحے گزر چکے ہوں گے
کہ خواب سُوکھ کے اب تک بکھر چکے ہوں گے

تمہارے جسم کی خوشبو میں جو دہکتے تھے
وہ سارے رنگ دھنک کے اُتر چکے ہوں گے

گئے جو روشنیاں لے کے سرد ہاتھوں پر
اُس اَندھے شہر میں اب تک تو مر چکے ہوں گے

وہ اپنی سوچ پہ گہری اداسیاں لکھ کر
کچھ اپنے آپ سے سمجھوتہ کر چکے ہوں گے

سمندروں کی طرح جو ازل سے پیاسے ہیں
خود اپنی پیاس میں جل کر نکھر چکے ہوں گے

غلط ہے سوچ مگر پھر بھی سوچتا ہوں میں
تمہاری یاد کے سب زخم بھر چکے ہوں گے

☆☆☆

اپنے اندر اتر رہا ہوں میں
اپنی پہچان کر رہا ہوں میں

میں اُبھرتا ہوں ڈوبنے کے لئے
ڈوب کر پھر اُبھر رہا ہوں میں

حُسن بن کر بگڑ گیا ہے وہ
عشق بن کر سنور رہا ہوں میں

اب تو اُس سے کوئی نہیں رشتہ
ہاں کبھی ہم سفر رہا ہوں میں

لوگ مرمر کے جی رہے ہیں آج
اور جی جی کے مر رہا ہوں میں

روشنی ہر طرف ہے جب حیدؔر
کیوں اندھیرے سے ڈر رہا ہوں میں

☆☆☆

کون دیکھے گا بھلا اِن جلتی آنکھوں کے عذاب
جھیلتے رہنا ہے جن کو اندھے خوابوں کے عذاب

زندگی کی ہر برہنہ شاخ پر تحریر ہیں
پھول چہروں پر جو ٹوٹے زرد لمحوں کے عذاب

سانپ بن کر ڈس گئیں اک دن لکیریں ہاتھ کی
قسمتوں میں رہ گئے اب صرف یادوں کے عذاب

جب بھی یاد آتی ہیں کچھ مجبوریاں، محرومیاں
گھیر لیتے ہیں مجھے اُس کے سوالوں کے عذاب

اک مسلسل روگ بن کر رہ گئی یہ زندگی
قطرہ قطرہ ایسے اترے زہر سانسوں کے عذاب

کب تلک چھائی رہے گی یوں ہی اندھی روشنی
کب تلک حیدؔر رہیں گے اِن اندھیروں کے عذاب

☆☆☆

کعبے میں جاکے یا کہیں پتھر تراش کر
ممکن ہو جس طرح بھی خدا کو تلاش کر

کوئی صدا ہے تُو تو مِرے دل میں ڈوب جا
ہے راز تو لبوں پہ مِرے خود کو فاش کر

وہ موم ہے اگر تو اُسے دھوپ سے بچا
پتھر ہے اس کا دل تو اُسے پاش پاش کر

چھاؤں کا اک خیال سا تھا وہ بھی چھِن گیا
فیشن کسی نے کر لیا زلفیں تراش کر

اپنا نہیں تو بچوں کا احساس کر ذرا
حیدرؔ ادب کو چھوڑ کے فکرِ معاش کر

☆☆☆

مِرے خوابوں نے یقیناً مجھے بہلایا تھا
میں نے خود کو یہ کئی مرتبہ سمجھایا تھا

سوچ کے ماتھے پہ کچھ گہری لکیریں اُبھریں
کسی بیتے ہوئے لمحے کا خیال آیا تھا

اُس کی چیخوں کی صدا آج بھی آتی ہے مجھے
میں نے زندہ ہی تری یاد کو دفنایا تھا

کسی قاتل کی طرح تھا جو تعاقب میں مِرے
میں نے پہچان لیا وہ تو مِرا سایہ تھا

منزلوں نے تو مجھے ڈھونڈ لیا تھا حیدرؔ
پھر مِرا شوق سفر مجھ کو چُرا لایا تھا

☆☆☆

جِنّوں، دیووں اور پری زادوں کے بیچ
ایک قیدی کتنے آزادوں کے بیچ

حق اُسی کا ہوگا جو بھی بچ رہا
فیصلہ ہونا ہے شہزادوں کے بیچ

سوچ لو انجام بھی اِس عشق کا
چُن دیئے جاؤ گے پھر یادوں کے بیچ

کھیل کا پانسہ پلٹ جانے کو ہے
شاہ مارا جائے گا پیادوں کے بیچ

گھر گئے ہیں ناشناسوں میں کہاں
منہ کھڑے تکتے ہیں دلدادوں کے بیچ

زندگی حیدرؔ بسر ہوتی رہی
جیسے کوئی گیت فریادوں کے بیچ

☆☆☆

اُداسیوں سے بھرے دل بھی مسکرائیں گے
نئی رُتوں کے وہ دن بھی ضرور آئیں گے

بُجھا گئیں جو کئی آفتاب چہروں کو
اُن آندھیوں کے بدن بھی جلائے جائیں گے

اندھیرے دن کی مسافت کا سوچ لو پہلے
اُجاڑ لمحوں کے آسیب بھی ڈرائیں گے

سمٹ سکے گا کہاں اور چھپ سکے گا کہاں
ترے خیال میں آکر تجھے چُرائیں گے

عجیب لوگ ہیں بے چہرہ شہر کے حیدؔر
یہ تیری بات کا مطلب سمجھ نہ پائیں گے

☆☆☆

ہم جو میدانِ عمل میں ڈٹ گئے
راستے سارے سفر کے کٹ گئے

ٹوٹ کر برسے مگر انجام کار
چھٹنے ہی تھے غم کے بادل، چھٹ گئے

بڑھنے گھٹنے کا عجب ہے سلسلہ
بڑھ گئے حد سے تو سمجھو گھٹ گئے

آپ کی رُسوائیوں کے خوف سے
آپ کے رَستے سے ہم خود ہٹ گئے

جتنی اچھی صورتیں ہم کو ملیں
اُتنے ہی خانوں میں حیدؔر بٹ گئے

☆☆☆

مِری خاموش محبت کا صِلہ ہو جاؤ
حرفِ اظہار کی صورت میں ادا ہو جاؤ

راز ہو تو مِرے سینے میں سما بھی جاؤ
ورنہ آؤ مِرے ہونٹوں پہ صدا ہو جاؤ

تم تصوّر بھی نہیں ہو کہ بُھلا بھی نہ سکوں
تم عبادت بھی نہیں ہو کہ قضا ہو جاؤ

یا ہمیشہ کے لئے تم مِرے ہو جاؤ ابھی
یا ہمیشہ کے لئے مجھ سے جدا ہو جاؤ

اپنے جلتے ہوئے خوابوں میں اُتر کر حیدرؔ
اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا ہو جاؤ

☆☆☆

خموش آنکھوں سے کرتا رہا سوال مجھے
وہ آ کے کہہ نہ سکا اپنے دل کا حال مجھے

کبھی تو خود کو بھی پہچاننے کی کوشش کر
حصارِ ذات سے آ کر کبھی نکال مجھے

یہ بے یقینی کا گہرا سکوت تو ٹوٹے
فریب دے کوئی خوش فہمیوں میں ڈال مجھے

وہ نام لکھوں تو لفظوں سے خوشبوئیں اٹھیں
وہ دے گیا جو مہکتے ہوئے خیال مجھے

گئے زمانے لئے پھر وہ آ گیا حیدرؔ
بکھر نہ جاؤں کہیں پھر ذرا سنبھال مجھے

☆☆☆

شاخِ دل یوں تری یادوں سے ہری رہتی ہے
جیسے میووں سے کوئی ڈال بھری رہتی ہے

میں نئے قصے میں سیفلؔ تو نہیں ہوں لیکن
آنکھ کی جھیل میں وہ بَن کے پری رہتی ہے

میں نہ رانجھاؔ نہ تعلق مِرا وارثؔ سے کوئی
پر مِرے دل میں بھی اک بھاگ بھری رہتی ہے

اُس کو پالینے کی خواہش بھی ہے کیسی خواہش
اُس کے کھونے کے تصور سے ڈری رہتی ہے

اُس کی خفگی بھی نہیں ہوتی بناوٹ والی
مسکراہٹ بھی سدا اُس کی کھری رہتی ہے

استعارے تو کجا سامنے اُس کے حیدرؔ
شاعری ایک طرف اپنی دَھری رہتی ہے

☆☆☆

چھنکیں یہ کس کے چمپئی پَیروں کی جھانجھریں
حیرت سے رُک کے رہ گئیں لمحوں کی جھانجھریں

پھر گر رہی ہے سوچتی آنکھوں کی آبشار
پھر مسکرائی ہیں تری یادوں کی جھانجھریں

رُوحوں میں گنگناہٹیں جو محوِ رقص تھیں
لَے تھی وہ دھڑکنوں کی یا سانسوں کی جھانجھریں

حیدؔر پھر آج آئے گا شاید کسی کا خط
پھر کوئی چھنچھنائے گا خوابوں کی جھانجھریں

☆☆☆

چھوڑ گئے سب تجھ کو تیری غزلوں والے لوگ
میرے شاعر سب کے دکھ اب تنہا بیٹھا بھوگ

عشق اور نوکری مل کے دونوں چُوس گئے ہیں تجھ کو
تُو تو بس اب ایسے ہے جیسے گنے کا پھوگ

اُس سے شکوہ کرنے کا تو حق ہی نہیں بنتا ہے
پتھر کو معلوم ہو کیسے آئینے کا روگ

اپنے ارمانوں کو خود ہی کفناؤ دفناؤ
خود ہی من کو قتل کرو اور خود ہی مناؤ سوگ

میں کوئی رامؔ نہ گوتمؔ، حیدؔر اک شاعر آوارہ
پھر یہ کیسی خواہش ہے جنگل میں لے لوں جوگ

☆☆☆

اُسے پھر اگلے سفر کے لیے اُبھرنا ہے
وہ جس کو شام کی دہلیز پر اُترنا ہے

نجانے ذات کے گرداب سے وہ کب نکلے
کہ فاصلوں کا سمندر بھی پار کرنا ہے

میں برگِ خشک ہوں تُو کوئی سر پھرا جھونکا
اب آ بھی جا کہ مجھے ٹوٹ کر بکھرنا ہے

ابھی تو اُس نے کئی عہد مجھ سے کرنے ہیں
ابھی تو اُس نے ہر اک عہد سے مکرنا ہے

تو کیوں نہ مل لیں ہم اک دوسرے کو جی بھر کے
یہ جب یقیں ہے کہ اک دن ہمیں بچھڑنا ہے

یہ چند گھڑیاں ہی جنت نظیر ہو جائیں
پھر اپنے اپنے جہنم کو ہم نے بھرنا ہے

میں جس صدا پہ چلا ہوں نئے سفر کے لئے
اُسی کے حکم پہ حیدرؔ مجھے ٹھہرنا ہے

☆☆☆

جبریت کے موسم کا جب عذاب آتا ہے
صرف اہلِ دل پر ہی تب عتاب آتا ہے

وہ حساب تو لے گا پر حساب کیا دیں گے
ہم گناہ گاروں کو کب حساب آتا ہے

بس لحاظ کرتے ہیں ایک بے مرّوت کا
ورنہ اُس کی باتوں کا بھی جواب آتا ہے

عشق میں بچھڑ جائیں اور چاہے مل جائیں
دل زدوں پہ ہر حالت میں عذاب آتا ہے

لب مکر گئے لیکن دل نہیں مکر پایا
جب بھی خواب آتا ہے تیرا خواب آتا ہے

پہلے سے بھی بڑھتے ہیں صرف مسئلے حیدرؔ
جھوٹ بولنے سے کب انقلاب آتا ہے

☆☆☆

وزیرِ فیل اور شاہ پھر سے بدَل رہا ہے
وہ چال شاید اب اور ہی کوئی چَل رہا ہے

بچی ہوئی ہے بس اب تو خاک اور راکھ باقی
کہ اب نہ رسی نہ کوئی رسی کا بل رہا ہے

چلو پھر ابلیس کو بلاؤ اسے بتاؤ
جو ابنِ آدم پھسل گیا تھا سنبھل رہا ہے

کچھ اِس طرح ڈوبنے لگی ہے یہ دل کی دھڑکن
کہ جیسے دھیرے سے کوئی گھر سے نکل رہا ہے

کسی کے جَور وستم کی حیدرؔ کرامتیں ہیں
بجھا ہوا ہے یہ دل مگر پھر بھی جل رہا ہے

☆☆☆

روگ سمجھا ہے کوئی کب کسی دیوانے کے
آدھے ہم تیرے ہیں، آدھے کسی بیگانے کے

دل نے کچھ اپنے ہی معیار بنائے رکھے
زخم دینے کے قرینے ہوں کہ سہہ جانے کے

ہم کہاں کے کوئی سقراط تھے پر ہم پر بھی
آئے الزام نئی نسل کو بہکانے کے

وہ کہ نازاں رہے جن باتوں پہ، اب دیکھ بھی لیں
آ گئے وقت انھیں باتوں پہ پچھتانے کے

ہم بھی اُٹھے ہیں نیا حوصلہ لے کر حیدرؔ
نئے انداز ہیں اُس کے بھی ستم ڈھانے کے

☆☆☆

اگرچہ پیار کا اب کوئی سلسلہ بھی نہیں
پر اس سے ترکِ تعلق کا حوصلہ بھی نہیں

کچھ اپنے گرد حصار ایسے کھینچ بیٹھا ہوں
کہ اب خود اپنے نکلنے کا راستہ بھی نہیں

مسافتوں میں ہوں کس پیکرِ ہوا کے لئے
جو کوئی رنگ نہیں ہے کوئی صدا بھی نہیں

مری اُداسیاں ہیں قرض اُس کی چاہت پر
اک ایسا قرض کہ جو واجب الادا بھی نہیں

میں جانتا ہوں کہ یہ وقتِ استجابت ہے
مگر یہ کیا کہ لبوں پر کوئی دعا بھی نہیں

تمام روشنیاں، خوشبوئیں بجا حیدؔر
پر اُس گلاب بدن سا کوئی ہوا بھی نہیں

☆☆☆

دو پرندے چہکتے رہے رات بھر
اور بھرتے ' چھلکتے' رہے رات بھر

رات کی رانی مہکی کہ تم آئے تھے
دونوں عالَم مہکتے رہے رات بھر

سیدھے رستے کو پانے کی دھن میں مگن
کس طرح ہم بہکتے رہے رات بھر

سرد جسموں میں بھی جان سی آ گئی
ایسے جذبے دہکتے رہے رات بھر

رات بھر وصل کا چاند چمکا کیا
دل سمندر ہُمکتے رہے رات بھر

زندگی! دیکھ بجھتے ہوئے لوگ ہم
بزمِ جاں میں چمکتے رہے رات بھر

حاصلِ عمر ٹھہرے ہیں لمحے وہی
جن میں حیدرؔ بھٹکتے رہے رات بھر

☆☆☆

عجیب نشہ، عجب سا سُرور خاک میں ہے
کہ خاکساری کا سارا غرور خاک میں ہے

اگرچہ اِن کا تعلق ہے عرش سے لیکن
اساسِ کعبہ و بنیادِ طور خاک میں ہے

عطا زمیں کی ہیں رسمیں، روایتیں ساری
کسے خبر ہے کہ کتنا شعور خاک میں ہے

اسیرِ خاک نہیں مٹی ہے مِرا عنصر
جبھی تو میرا ظہور ونشور خاک میں ہے

جو پھونک دیں تو قیامت ہی اک اٹھائے گا
چھپا ہوا کوئی ایٹم کا صُور خاک میں ہے

نہیں جو کوئی بھی اس کی گرفت سے باہر
کوئی نہ کوئی تو جادُو ضرور خاک میں ہے

یہ ساری روشنی حیدؔر ہے ماں کے چہرے کی
کہاں ہے شمس وقمر میں جونُور خاک میں ہے

☆☆☆

گھنی تاریکیوں میں روشنی کی آس باقی ہے
یہی دولت بہت ہے جو ہمارے پاس باقی ہے

تمہارے قُرب نے ٹھنڈک کا اک احساس تو بخشا
مگر اِس جسم کی جلتی، مچلتی پیاس باقی ہے

تمہارے ہی لئے ہیں دل کے جتنے مل سکیں ٹکڑے
تمہارے واسطے ہے تن پہ جتنا ماس باقی ہے

چلو ہم بے سلیقہ ہیں مگر یہ بھی تو بتلاؤ
سلیقہ عشق کا پھر اور کس کے پاس باقی ہے

گلابوں کی مہک تھی یا کسی کی یاد کی خوشبو
ابھی تک رُوح میں مہکار کا احساس باقی ہے

نبھانا ہے ابھی تو قول اپنے باپ کا ہم نے
ابھی اپنے مقدر کا کڑا بَن باس باقی ہے

ابھی قرضے چکانے ہیں عزیزوں کے سبھی حیدرؔ
ابھی موسم بدلنے کی ہماری آس باقی ہے

☆☆☆

طلوعِ صبح سے پہلے شگافِ نیل ہونا ہے
یہ منظر سامنے کا جلد ہی تبدیل ہونا ہے

گزرتی سرد اور لمبی اندھیری شب کے سینے میں
ابھی کچھ اور شمعوں کا لہو تحلیل ہونا ہے

پھر اہلِ جور کے حق میں فقیہِ شہر کے صدقے
حدیثِ جبر کی کوئی نئی تاویل ہونا ہے

ہماری ایڑیوں سے اب کوئی چشمہ نہ ابلے گا
نہ قسمت میں ہماری کوئی بیتِ اِیل ہونا ہے

تمہارے دل کی بنجر سرزمیں سیراب کرنے کو
ہماری خشک آنکھوں ہی کو آخر جھیل ہونا ہے

کبھی دریا کی لہروں پر، کبھی صحرا کے سینے میں
محبت کا نیا قصہ سدا تشکیل ہونا ہے

ہمارا خواب تو بے شک ادھورا رہ گیا حیدرؔ
مگر تعبیر کی تو لازماً تکمیل ہونا ہے

☆☆☆

کب ہے کہ حقیقت سے دل آگاہ نہیں ہے
گم، راہ بھی ہوتے ہوئے گمراہ نہیں ہے

افلاک کے در وا ہوئے کس شخص کی خاطر
مظلوم ہے ہونٹوں پہ مگر آہ نہیں ہے

جب اذنِ مسافت نہ تھا ہر سمت تھے رستے
اب اذن ملا ہے تو کہیں راہ نہیں ہے

پھر قصرِ زلیخا میں رَسائی بھی ہو کیسے
کنعانِ تمنا میں کوئی چاہ نہیں ہے

آنکھوں میں ہماری کوئی سورج نہیں باقی
ماتھے پہ تمہارے بھی کوئی ماہ نہیں ہے

شرطوں پہ محبت کی کوئی بات نہ کرنا
یہ تیرا طلب گار شہنشاہ نہیں ہے

بس پیار کو بھی پیار کی حد تک ہی نبھائیں
دل، دل ہے کسی پِیر کی درگاہ نہیں ہے

اس چشمِ فسوں ساز کے جادو کو نہ سمجھیں
اب اپنی نظر اتنی بھی کوتاہ نہیں ہے

رہنے دو مِری جان یہ توقیر و تکلف
حیدرؔ ترا اب اتنا بھی ذی جاہ نہیں ہے

☆☆☆

مسافتوں کی لگن تو فقط بہانہ تھا
مسافروں کو بہرحال آگے جانا تھا

رہا نہ دھیان کسی کو دیا بجھانا تھا
جب اُس کو میں نے، مجھے اُس نے آزمانا تھا

یقین کی یہی دولت ہمارے ہاتھ آئی
کہ ہم نے عشق میں پیہم فریب کھانا تھا

خود اپنے آپ سے احوال کہہ کے روتے رہے
کہ شہرِ دل کو جلانا تھا اور بجھانا تھا

جو میری روح میں بس زہر گھولتا ہی رہے
مِرے نصیب میں چینی کا کارخانہ تھا

جب آنکھیں مند گئیں حیدرؔ گھنے اندھیرے میں
تو روشنی کا کوئی خواب ہی جگانا تھا

☆☆☆

عمرِ گریزاں

(غزلیں، نظمیں، ماہیے)

حیدر قریشی

انٹرنیٹ ایڈیشن

Umr e GurezaN

Poetry By: ***Haider Qureshi***

نام کتاب: **عمرِ گریزاں** (غزلیں، نظمیں، ماہیے)
شاعر: حیدر قریشی
اشاعت اول: ۱۹۹۶ء
تعداد: ۵۰۰
مطبع:
قیمت: ۱۰۰ روپے

انٹرنیٹ ایڈیشن
جنوری ۲۰۱۴ء

صرف یہ عمرِ گریزاں ہی نہیں کرتی اداس
میرا ہنستا ہوا بچپن بھی رُلاتا ہے مجھے

انتساب

شعیب، عثمان اور طارق کے نام

دریا کی روانی ہے
اب مِرے بیٹوں میں
مِری گزری جوانی ہے

اس میں مل جائے گا جا کر مِرے اندر کا خلا
اور بڑھ جائے گا باہر کا خلا میرے بعد

ترتیب

غزلیں

نظمیں

کیا خبر کب سفر پہ چل نکلیں
اسپِ جاں پر ہمیشہ زِین رہے

یوں تو کتنے ہی ہم نشین رہے
کون دل میں سدا مکین رہے

نشۂ حُسن میں رہے تم بھی
ہم بھی کب عشق کے امین رہے

اپنے ہی دل کے آستانے پر
آستاں بوس اب جبین رہے

آسماں کی کوئی نہیں پروا
میرے پَیروں تلے زمین رہے

پاس رہ کر بھی پاس تھے میرے
دور ہو کر بھی وہ قرِین رہے

کیا خبر کب سفر پہ چل نکلیں
اسپِ جاں پر ہمیشہ زِین رہے

جیسے اب چاہے تُو سلوک کرے
آج سے ہم ترے رہین رہے

بس تو پھر طے ہوا یہی حیدرؔ
ہاتھ میں دنیا، دل میں دین رہے

☆☆☆

ہر چند ہم ایسے بھی جہاں تاب نہیں تھے
کب ماتھے پہ روشن کبھی مہتاب نہیں تھے

بے نام اُداسی تو ہمیشہ رہی لیکن
ہم اُس سے بچھڑ کر کبھی بے تاب نہیں تھے

یہ خواب بھی تیرے تھے اِنہیں ساتھ ہی لے جا
یہ بجھتے ہوئے خواب مِرے خواب نہیں تھے

کردارِ فقیہاں مِری آزادہ روی بھی
''گمراہی'' کے لیکن یہی اسباب نہیں تھے

اُس بزم میں ہر جھوٹ پہ بول اٹھتے تھے فوراً
نادان تھے ہم واقفِ آداب نہیں تھے

ہر گوہرِ نایاب کی تذلیل بجا ہے
پر ہم تو کوئی گوہرِ نایاب نہیں تھے

احباب کے تیروں کے تو ہم عادی تھے حیدرؔ
اِس بار مگر بھائی تھے احباب نہیں تھے

☆☆☆

درد جتنا بھی ترے در سے عطا ہوتا گیا
کاسۂ دل درد مندوں کا دعا ہوتا گیا

برہمی میں وہ نجانے کیا سے کیا کہتے رہے
بے خودی میں ہم سے جانے کیا سے کیا ہوتا گیا

جسم و جاں پر اک عجب مستی سی ہے چھائی ہوئی
اک نظر کے لُطف سے اتنا نشہ ہوتا گیا

پھر مِری شہ رگ سے بھی آتا گیا نزدیک تر
مجھ سے کیا بچھڑا ہے وہ گویا خدا ہوتا گیا

آنکھ میں، دل میں، لہو میں رقص فرمانے لگا
کس ادا کے ساتھ وہ مجھ سے جدا ہوتا گیا

گونج اُٹھّیں گنبدِ جاں میں مِری تنہائیاں
کوئی خط خاموش لفظوں سے صدا ہوتا گیا

پھول تھا وہ تو میں خوشبو بن کے اس میں جذب تھا
وہ بنا خوشبو تو میں بادِ صبا ہوتا گیا

جس قدر ہوتا گیا اُس کی محبت کا اسیر
ذات کے زنداں سے حیدرؔ رِہا ہوتا گیا

☆☆☆

کون دیکھے گا بھلا میرے خدا میرے بعد
رنگ لائے گی اگر میری دعا میرے بعد

رُوبرو میرے بنا بیٹھا تھا پتھر کی طرح
کسی چشمے کی طرح پھُوٹ بہا میرے بعد

عشق کے قصے سبھی مجھ پہ ہوئے آ کے تمام
کوئی مجنوں، کوئی رانجھا نہ ہوا میرے بعد

اس میں مل جائے گا جا کر مرے اندر کا خلا
اور بڑھ جائے گا باہر کا خلا میرے بعد

جس نے دشمن کو مِرے قتل پہ اُکسایا ہے
لینا چاہے گا وہی خون بہا میرے بعد

ابھی ممکن ہی نہیں قرض چکانا تیرا
زندگی! قرض ترا ہوگا اَدا میرے بعد

روز طوفان اُٹھانے کی مشقت تھی اسے
دشت بے چارے کو آرام ملا میرے بعد

میرؔ و غالبؔ کی عطا اُن کی زمیں میں یہ غزل
حیدرؔ اوروں پہ بھی ہوگی یہ عطا میرے بعد

☆☆☆

گرچہ ہمیں ہے پہلے بھی اک زک لگی ہوئی
لیکن گئی نہ یاس سے چشمک لگی ہوئی

ہر آن ہے گمان کہ شاید وہ آ گئے
دھڑکن ہے دل کی یا کوئی دستک لگی ہوئی

اپنا تمام حصہ اُنہیں دے کے آ گیا
آخر کو ختم کرنی تھی جھک جھک لگی ہوئی

تم اہلِ علم وفضل ہو لیکن کچھ اِس طرح
جیسے کوئی کتاب ہو دیمک لگی ہوئی

اُس کی محبتیں ہیں کسی اور کے لئے
تہمت ہمارے سر پہ ہے بے شک لگی ہوئی

پڑتا ہے یوں تو حُسن پہ اِس کا اثر مگر
اچھی لگی ہے آپ کو عینک لگی ہوئی

حیدؔر مذاق مت اِسے سمجھو یہ عشق ہے
بازی ہے اِس میں پاؤں سے سر تک لگی ہوئی

☆☆☆

درد اندر کے سب آنکھوں میں اُبھر آئے تھے
عشق میں جب ہمیں پانی کے سفر آئے تھے

شہر کی گلیوں نے چومے تھے قدم رو رو کر
جب ترے شہر سے یہ شہر بدر آئے تھے

آپ نے ہی درِ دل وا نہ کیا تھا ورنہ
صبح کے بھولے تو دوپہر کو گھر آئے تھے

یہ الگ بات کہ جی اُٹھے دوبارہ لیکن
ہم تری راہ میں تو جاں سے گزر آئے تھے

بازگشت اپنی ہی آواز کی بننا تھا ہمیں
ہم نے کب لَوٹ کے آنا تھا مگر آئے تھے

ایک سوہنی کی پذیرائی کی خاطر حیدرؔ
دل کے دریا میں کبھی کتنے بھنور آئے تھے

☆☆☆

تجھ سے اب تیری شکایت نہیں ہونے والی
یعنی وہ پہلی سی چاہت نہیں ہونے والی

وہ تو از خود نہیں ہوسکتا ہے مائل بہ کرم
اور ہم سے بھی بغاوت نہیں ہونے والی

اس کی تعریف میں پُل باندھ لے چاہے جتنے
پھر بھی پوری تری نیّت نہیں ہونے والی

کاسہءِ عشق کو اب توڑ کے باہر پھینکو
ان بخیلوں سے سخاوت نہیں ہونے والی

اپنے حق میں تُو بھلے کتنی گواہی لائے
بے گناہی سے بریت نہیں ہونے والی

کعبہءِ دل کو کہاں چھوڑ چلے ہو حیدؔر
تم تو کہتے تھے یہ ہجرت نہیں ہونے والی

☆☆☆

تمہاری شوخی، مِری خوش خیالیاں بھی گئیں
وہ وَلولے بھی گئے لاابالیاں بھی گئیں

کچھ ایسے ٹوٹ کے ملنا کہ ایک ہو جانا
محبتیں وہ ہماری نرالیاں بھی گئیں

جنہیں میں چاہتا تھا شادیاں کرا بیٹھیں
جو پیار کرتی تھیں وہ پیار والیاں بھی گئیں

نہ انتظار کا شوق اب نہ رَتجگوں کی بہار
وہ آرزوئیں وہ آنکھوں کی لالیاں بھی گئیں

یہ کیسی وقت کی آندھی بدن پہ آئی ہے
کہ پھول پتے تو کیا میری ڈالیاں بھی گئیں

قویٰ جو ڈھیلے پڑے اعتدال آنے لگا
جوانی ڈھلتے ہی بے اعتدالیاں بھی گئیں

بچی ہوئی تھیں جو دوچار خواہشیں حیدرؔ
لو آج دل سے ہمارے وہ سالیاں بھی گئیں

☆☆☆

دُھند یادوں میں جیسے بھٹکتے رہے
وہ بھی تکتے رہے، ہم بھی تکتے رہے

ممکنہ حد تلک شب سے اُلجھے تو ہیں
جگنوؤں کی طرح گو چمکتے رہے

پتھرّوں کا اُڑاتے ہوں جیسے مذاق
آئینے ٹوٹ کر یوں کھنکتے رہے

چند لمحے وہ اُن سے ملاقات کے
میری سانسوں میں برسوں مہکتے رہے

موت کی بھی حقیقت اُنہیں سے کھُلی
زندگی کے جو دل میں دھڑکتے رہے

☆☆☆

اُس ستم گر کے سب اندازِ ستم رہنے دے
دشمنِ جاں کے سبھی جاہ وحشم رہنے دے

اے خدا! ڈر ہے مجھے طے ہی نہ ہوجائے کہیں
منزلِ عشق کو دو چار قدم رہنے دے

اُس سے کہہ دو کہ وہ اب یہ تو نہ چھینے مجھ سے
میرے دامن میں مِرے درد و الَم رہنے دے

خاک عزت ہے یہاں اہلِ ادب کی حیدرؔ
چھوڑ یہ زورِ بیاں، زعمِ قلم رہنے دے

☆☆☆

یوں ہی دیکھا تھا جسے چشمِ تماشائی سے
اب نکلتا ہی نہیں رُوح کی گہرائی سے

اہلِ دنیا بھلا اِس رَمز کو کیسے سمجھیں
عشق رُسوا نہیں ہوتا کبھی رُسوائی سے

متن میں آپ کا ہی ذکر چلا آتا ہے
اچھا ہے بچ کے رہیں حاشیہ آرائی سے

آخری مرحلہ اِس کھیل کا رہتا ہے ابھی
خوش نہ ہو لشکرِ اعداء مِری پسپائی سے

جو رہِ اہلِ ملامت پہ چلا جاتا ہو
مت الجھنا کبھی ایسے کسی سودائی سے

جسم بھی اپنی جگہ زندہ حقیقت ہیں مگر
دل نہیں ملتے فقط جسموں کی یکجائی سے

مرحلے آئے تھے خوف اور گنہ کے پہلے
روشنی گیان کی پھر پھُوٹی تھی تنہائی سے

بے لحاظی کا کسے دُکھ نہیں ہوتا حیدؔر
ہم نے شکوہ نہ کیا پر کسی ہرجائی سے

☆☆☆

عشق میں اپنی ہی جب خاک اُڑالی ہم نے
پھر وہی خاک ترے پیار پہ ڈالی ہم نے

ڈھنگ کا کام کوئی ہم سے کبھی ہو نہ سکا
یوں تو سرسوں بھی ہتھیلی پہ جَما لی ہم نے

خود بھی پہچان نہیں پاتے ہیں اپنی صورت
جانے کس روگ میں یہ شکل بنا لی ہم نے

وہ بھی انکار کا عادی نہ رہا تھا بے شک
کب کوئی اس کی تمنّا کبھی ٹالی ہم نے

وہ سمجھ دار ہے مطلب تو سمجھ جائے گا
بات آدھی ہی کہی، آدھی چُھپالی ہم نے

کھیل رنگوں کا جو پھولوں سے سمجھ میں آیا
سیکھ لی خوشبو سے آوارہ خیالی ہم نے

جو دعا کرتے تھے اُلٹا ہی اثر ہوتا تھا
تیری چاہت کی دعا رب سے بچالی ہم نے

یونہی تُک بندی نہیں کی ہے غزل میں حیدرؔ
بھیڑ سے اپنی الگ راہ نکالی ہم نے

☆☆☆

میری دھرتی سے پرے، کوئی بلاتا ہے مجھے
کہکشاؤں کی عجب راہ دکھاتا ہے مجھے

چشمِ نَم کے وہ زمانے تو کبھی کے بیتے
لیکن اک تارا وہی قصے سناتا ہے مجھے

جس نے آمادہ کیا ترکِ تعلق کے لئے
اب وہی دل ہی کچوکے سے لگاتا ہے مجھے

ماں! ترے بعد سے سورج ہے سوا نیزے پر
بس تری ممتا کا اک سایہ بچاتا ہے مجھے

اِس زمانے کے خداؤں نے بگاڑا ہے مگر
میرے اندر کا اک انسان بناتا ہے مجھے

کس وفا سے وہ ابھی تک ہے ستم پر قائم
کس محبت سے ابھی تک وہ جَلاتا ہے مجھے

صرف یہ عمرِ گریزاں ہی نہیں کرتی اُداس
میرا ہنستا ہوا بچپن بھی رُلاتا ہے مجھے

جانے کیا بات ہے اُس شخص کے دل میں حیدؔر
جو ابھی تک وہ بتا ہی نہیں پاتا ہے مجھے

☆☆☆

نہ کسی کے دَم، نہ عصا میں ہے
جو کمال تیری ادا میں ہے

اِسے کون ہے جو بُجھا سکے
یہ چراغ اپنی ہوا میں ہے

جو اثر ہے اُس کی نگاہ میں
نہ دوا میں ہے، نہ دعا میں ہے

جو مزہ ہے میرے سوال میں
کہاں اُس کے دستِ عطا میں ہے

مجھے ہر گنہ کی جزا ملی
وہ شرافتوں کی سزا میں ہے

نہ فلک پہ ہے نہ زمین پر
مِری رُوح جیسے خلا میں ہے

☆☆☆

جب سرکار کی جانب سے منظوری ہوتی ہے
فاصلہ کتنا بھی ہو عین حضوری ہوتی ہے

جذب کے عالم میں پہنچا بندہ جو کہہ جائے
بات خدائی ہوتی ہے سو پوری ہوتی ہے

باہر کے شیطان خرابی سی کر جاتے ہیں
ورنہ ہر انسان کی فطرت نوری ہوتی ہے

دل میں بسنے والے دُور بھلا کب ہوتے ہیں
دنیا کی نظروں میں بے شک دُوری ہوتی ہے

ویسے تو ہے عزت والا یہ منصب حیدرؔ
عشق میں لیکن ذلّت کی مزدوری ہوتی ہے

☆☆☆

(آپی کے لئے)

اتنی محبت ہے کہ گماں جیسی لگتی ہے
ماں جائی ہے لیکن ماں جیسی لگتی ہے

اُس کے ہونٹوں کی محراب دعاؤں والی
اُس کی خاموشی بھی اَذاں جیسی لگتی ہے

دل میں ٹھہری ہوئی ہے میرے بچپن ہی سے
جس کی محبت آبِ رواں جیسی لگتی ہے

جس نے میرے دُکھ کو اپنا دُکھ سمجھا تھا
اپنے دل اور اپنی جاں جیسی لگتی ہے

بنی ہوئی ہے ڈھال وہ میری خاطر حیدرؔ
مِرے مخالف کو جو کماں جیسی لگتی ہے

☆☆☆

اُس نے میرے لئے عمر بھر دشتِ تنہائی کا جو سفر لکھ دیا
سارے صحرا میں تب چلتے چلتے مِرے ہر قدم نے شجر لکھ دیا

حال مستوں کی مستی کا عالم ہے یہ، آنے والے دنوں کو کہا
خواب بکھرا ہوا' اور رخشندہ ماضی کو ٹوٹا کھنڈر لکھ دیا

نام اُس کا چھُپانے' بتانے کی مشکل سے یوں بچ سکے سر پھرے
انگلیوں سے ہواؤں پہ اُس کو کبھی تو کبھی آب پر لکھ دیا

میں نے اپنی دیانت کی سب دولتیں اپنی اولاد کو دیں فقط
اور باقی عزیزوں کو صرف اور صرف اپنے حصے کا گھر لکھ دیا

روٹھنے اور منانے کے سب سلسلے تو کجا آرزو ہی نہیں
خط میں اس کو تو بالکل ہی لکھنا نہیں چاہتا تھا مگر لکھ دیا

لوگ دستارِ حیدرؔ چھُپانے، بچانے میں مشغول تھے جب تبھی
جانے دیوانگی تھی یا فرزانگی تھی مگر ہم نے سر لکھ دیا

☆☆☆

اس حُسن کے وہ جاہ، وہ اجلال کہاں ہیں
وہ پہلے سی آنکھیں، وہ خدو خال کہاں ہیں

وہ لہجے کی تاثیر، وہ آواز کا جادُو
ہونٹوں کے دہکتے ہوئے وہ لعل کہاں ہیں

عیار شکاری جہاں پھنس جاتے تھے آ کر
وہ زلف کے پھندے، وہ حَسیں جال کہاں ہیں

وہ زعمِ جوانی وہ ترے جسم کی خوشبو
فتنوں کو جگاتے وہ مہ و سال کہاں ہیں

ہر انگ میں اک حُسنِ تناسب تھا، کھنک تھی
اب تیرے دھنک رنگ پر و بال کہاں ہیں

وہ ہی تو فقط وقت کی زد میں نہیں حیدؔر
خود تیرے بھی وہ پہلے سے احوال کہاں ہیں

☆☆☆

یہ دل کہ تجھ سے جو راز و نیاز رکھتا ہے
ترے حریف سے بھی ساز باز رکھتا ہے

قریشِ مکہ میں ہو یا مدینہ والوں میں
فقیر نسبتِ ارضِ حجاز رکھتا ہے

وہ پہلے دیتا ہے ترغیب پاس آنے کی
قریب آنے سے پھر خود ہی باز رکھتا ہے

ستم ظریف پہ غصہ بھی تو نہیں آتا
زباں کا تیز ہے پر دل گداز رکھتا ہے

نہیں تو صرف مِرے حال سے نہیں واقف
وہ بے خبر جو جہاں بھر کے راز رکھتا ہے

فرشتے کیسے کریں گے حساب پھر اس کا
ہر اک گناہ کا حیدؔر جواز رکھتا ہے

☆☆☆

وہ سارے وار مقدر کے سہہ گئے ہوں گے
مگر حقیقتاً اندر سے ڈہہ گئے ہوں گے

ستمگروں کی عنایات کی حکایت تھی
سو اہلِ دل کے بھرم کچھ تو رہ گئے ہوں گے

زمانے والوں کی باتوں پہ کان کیا دھرنا
زمانے والے تو کیا کچھ نہ کہہ گئے ہوں گے

وہ مسکرا تو دیا ہوگا سوچ کر مجھ کو
پر اُس کی آنکھ سے آنسو بھی بہہ گئے ہوں گے

لڑائی جھگڑا تو حیدرؔ نہ تھا مزاج ان کا
وہ گھونٹ زہر کے بس پی کے رہ گئے ہوں گے

☆☆☆

کب عقل کے بے ربط خیالات سے آئی
''بے راہروی'' عشق کی برکات سے آئی

اِس بار ہے مہینوال کسی اور نگر کا
سوہنی مگر اِس بار بھی گجرات سے آئی

سب کام بگڑ کر ہی سنورتے رہے اپنے
آسانی جب آئی ہے محالات سے آئی

یہ دل تو محبت ہی محبت تھا سدا سے
لہجے میں یہ تلخی مِرے حالات سے آئی

چالاکی کہاں آتی تھی حیدرؔ کو مِری جان
بس تیری اداؤں کی کرامات سے آئی

☆☆☆

سمندروں کی جگہ دشتِ بے کنار دیا
الٰہی! کشتیءِ جاں کو کہاں اتار دیا

ہمارے بس میں تو کچھ بھی نہیں خداوندا
ہمارے دل پہ بھی کب ہم کو اختیار دیا

پھر اس کو پانے میں کیا جیت کی خوشی ہوتی
کہ اس کو پانے میں جب اپنا آپ ہار دیا

ستم جو ہم پہ کیئے اُس نے بے حساب کیئے
کرم بھی کرنے پہ آیا تو بے شمار دیا

کوئی یہ کہہ دے مِرے دشمنوں سے اے حیدرؔ
مِرے خدا نے تمہارے خدا کو مار دیا ہے

☆☆☆

غموں سے اِس کو ہمیشہ نہال رکھتا ہے
ہمارے دل کا وہ کتنا خیال رکھتا ہے

نہ گلبدن ہے نہ چشمِ غزال رکھتا ہے
وہ سادگی میں ہی اپنا کمال رکھتا ہے

مِری جوانی کے ہیں ماہ و سال جس کے پاس
وہ بے وفا بھی زمانے کی چال رکھتا ہے

پھر اُس کے وصل میں کیا جانے کتنی لذت ہو
وہ جس کا ہجر بھی لطفِ وصال رکھتا ہے

تمام زخم اُسی نے عطا کیئے حیدرؔ
ہر ایک زخم کا جو اندمال رکھتا ہے

☆☆☆

محبتوں میں تم سے جو نباہ بھی نہ کر سکا
تمہارے بعد پھر کسی کی چاہ بھی نہ کر سکا

ہمارے نامۂ عمل میں کچھ بھی تو نہیں ملا
کہ بے نصیب دل اسے سیاہ بھی نہ کرسکا

کہاں وہ کر سکا ہے نیکیاں بھی کام کی کبھی
جو زندگی میں ڈھنگ کا گناہ بھی نہ کرسکا

کمالِ ضبط تھا اِدھر، کمالِ خامشی اُدھر
میں آہ بھی نہ کر سکا وہ واہ بھی نہ کر سکا

لگن مسافتوں کی حیدؔر اس قدر رہی کہ میں
ابھی تک اختیار کوئی راہ بھی نہ کر سکا

☆☆

وہ جو ہم کو آزمانے لگ گئے
زخم دل کے جگمگانے لگ گئے

صرف اپنے آپ تک آتے ہوئے
آپ کو کتنے زمانے لگ گئے

شہرِ جاں کی دیکھ کر یخ بستگی
خواہشیں تک ہم جَلانے لگ گئے

رُوبرو قرآنِ حُسنِ یار کے
کیا حدیثِ دل سنانے لگ گئے

وادیٔ حیرت میں حیدؔر دیکھ لو
سارے فرزانے ٹھکانے لگ گئے

☆☆☆

آزاد غزل

تماشہ بن گئے معتوب ہوتے جا رہے ہو
مگر پھر بھی اسی پتھر سے ہی منسوب ہوتے جا رہے ہو

تم اس میں جذب ہی کب ہو سکے ہو
تو پھر کیوں عشق میں مجذوب ہوتے جا رہے ہو

کوئی تو حد ہوا کرتی ہے آخر بے لحاظی کی
نرے غالبؔ کی غزلوں والے ہی محبوب ہوتے جا رہے ہو

ستم گاری و دلداری کی سب حدیں مٹا ڈالیں
بہت ہی خوب ہوتے جا رہے ہو

محبت میں بھی بزنس مائنڈڈ ہے وہ
یہ تم پاگل ہو جو جذبوں سے یوں مغلوب ہوتے جا رہے ہو

تصوف عشق میں لے آئے حیدرؔ
محبت کرتے ہو، محبوب ہوتے جا رہے ہو

خلا

کبھی تم دل میں بستے تھے
تو آنکھوں میں
کہیں اندر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
بہاریں مسکراتیں،
کہکشائیں رقص کرتی تھیں
زمین و آسماں میں
ایسی یکتائی کا عالَم تھا
خلا کیسا؟

کہیں اک درز تک بھی تو نہیں

معلوم ہوتی تھی

مگر پھر یوں ہوا، اک دن
دھماکہ سا ہوا کوئی
زمین و آسماں میں اک دوئی
پیدا ہوئی
پھر فاصلہ در فاصلہ
اک سلسلہ بنتا گیا
اور اب یہ عالَم ہے
بہاریں کھو چکی ہیں
کہکشائیں بجھ گئی ہیں
اور مری آنکھوں میں
اک اندھا خلا ہے
دور تک پھیلا ہوا، جس میں
لبوں پر ایک زخمی مسکراہٹ کو سجائے
چپ کھڑی ہے میری تنہائی،

اور اس کے گرد

اک سفّاک سناٹا

مسلسل

رقص کرتا ہے!

درد

گہرے سناٹے میں

دُور سے

کالے انجن کی سیٹی کی آواز آتی ہوئی

دل کو بھاتی ہوئی

اک لرزتی، سسکتی صدا

دُور ہوتے ہوئے

کسی تانگے کے گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز

تانگے کے پہیوں کی آواز سے مل کے

کوئی انوکھا سا جادو جگاتی ہوئی

دکھ کا احساس دیتے ہوئے

دُور ہوتے ہوئے
منظروں کی صدا

چوڑیوں کی چھنک
ٹوٹتی چوڑیوں کی چھنک
زخم خوردہ مگر مسکراتے ہوئے
گیت گاتی چھنک

بانسری کی دُکھی اور سُریلی صدا
سَر خوشی اور دُکھ کے رَچاؤ سے
دل میں کچھ ایسے اترتی ہوئی
جیسے الہام ہو

یہ ساری صدائیں مِری آشنا ہیں
مجھے جانتی ہیں
میں اِن سب کو پہچانتا ہوں
متاعِ فقیراں-------

یہ سب میرے دردوں کی آواز ہیں
درد
جو میرے مونس ہیں
ماں جائے ہیں!

ایک اداس کہانی

یہ کیسی دُھند سی پھیلی ہے
میرے چارسُو
کچھ بھی نظر آتا نہیں
چاروں طرف مہکے ہوئے، پھیلے ہوئے
شادابیوں، زرخیزیوں کے
کتنے ہی منظر ہیں
لیکن دُھند نے سارے مناظر
اپنے دامن میں کچھ اِس ڈھب سے چھُپائے ہیں
مری نظریں کسی منظر کو بھی چھو ہی نہیں پاتیں
مگر کانوں میں سارے منظروں کی
مدھ بھری جھنکار پیہم گونجتی ہے
کوئی انجانی (یا شاید جانی پہچانی سی)
راحت بخشتی ہے

صدا جھنکار اور چہکار کی صورت
رگِ جاں تک اُترتی ہے، لہو میں بولتی ہے
روح میں رس گھول دیتی ہے
مگر دل میں نہیں آتی
کہ دل کے دیس میں آنے کے سارے راستے
آنکھوں سے آتے ہیں

یہ کیسی دُھند ہے جس نے مجھے تقسیم کر کے رکھ دیا ہے
مِرا دل میری جاں کی
اور مِری جاں، میرے دل کی جستجو میں ہے
مگر دونوں میں کوئی ربط ہو پایا نہیں جیسے

عجب سی دُھند پھیلی ہے
سبھی منظر صدا کے رُوپ میں ہی مجھ سے ملتے ہیں
یہ دلکش دُھند
دو قطروں کی صورت
جب سے اِن پلکوں پہ ٹھہری ہے!

پھاگن کی سفاّک ہوا

ہوا سفاّک لہروں کی طرح
یخ بستہ تیروں سے مسلسل حملہ آور ہے
میں اپنے بند کمرے میں مسہری پر
رضائی لے کے بیٹھا ہوں
مِری بیوی مِرے پہلو میں بیٹھی ہے
شعیب، عثمان، ٹیپو، مانو، رضوانہ
ہمارے سامنے
پہلو بہ پہلو دائرے کی شکل میں بیٹھے
ہماری مُورتیں ہم کو دکھاتے ہیں

ہمارا گمشدہ بچپن ہمارے سامنے
ان پانچ رنگوں میں چھکتا ہے

ہوا سفاک لہروں کی طرح
یخ بستہ تیروں سے مسلسل حملہ آور ہے
کبھی تیروں کی اک بوچھار سی
جب بند دروازے پہ پڑتی ہے تو بچے
ایک لحظے کے لئے خوف اور حیرت سے
ہمارے منہ کو تکتے ہیں
اور اپنے آپ ہی پھر کھلکھلا کر ہنس بھی پڑتے ہیں

اگر اس وقت پھاگن کی ہوا سفاّک نہ ہوتی
تو میں اس بند کمرے میں
حَسیں بچپن کے ایسے جگمگاتے اور سہانے دن کہاں پاتا
جہاں گردی کے چکر میں
ہمیشہ کی طرح کھویا ہوا ہوتا
یہ پھاگن کی ہوا سفاک بھی ہے مہرباں بھی ہے!

تمہارے لئے ایک نظم!

تمہیں پانے کی خواہش صرف خواہش ہی نہیں جاناں
تمہارے اِن لب و رُخسار کی سُرخی پہ
میری شاعری کے سب دَمکتے رنگ بکھرے ہیں
طلسمِ حرف کے جو اِسم بھی ہیں
سب تمہاری آنکھ کے جادُو میں بستے ہیں
مِرے مفہوم اور معنی تمہاری رُوح میں پنہاں
تمہیں پانے کی خواہش صرف خواہش ہی نہیں جاناں!
مجھے اپنے ادھورے پن کی بھی تکمیل کرنی ہے

تمہارے بارے میں ہر سوچ پر میں نے
دعاؤں کے نہ جانے کتنے اندھے کرب جھیلے ہیں
بس اِس اُمید پر

یہ کرب اک دن روشنی بھی لے کے آئیں گے
تمہیں لیکن کوئی احساس تک بھی تو نہیں شاید!

چلو آؤ......مری آنکھوں میں تھوڑا جھانک کر دیکھو
کہ آنکھیں سچ ہی کہتی ہیں
تمہیں یہ خود بتائیں گی کہ میں نے تم کو پانے کی
دعائیں مانگنے کے جتنے اندھے کرب جھیلے ہیں
تمہاری ہی عطائیں ہیں
اور ان کی آنے والی روشنی بھی تو
تمہیں پانے کی حیرت زا بشارت سے عبارت ہے
سنو جاناں!
اب اپنے حُسن کے رنگوں سے میری شاعری بھر دو
اب اپنی آنکھ کے جادُو کے سارے اسم
مجھ پر کھول کر۔۔۔۔مجھ کو طلسمِ حرف کے اسرار سکھلاؤ
مِرے معنی، مِرے مفہوم بھی مجھ کو عطا کر دو
مِرے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دو۔۔۔۔نزدیک آ جاؤ!

چاند کی تسخیر کے بعد

لفظوں کو جستجو ہوئی اپنے وجود کی
مفہوم اپنے رشتے نئے ڈھونڈنے لگے
معنوں کی اک بساط بھی بچھنے لگی نئی
محبوب کے حوالے سے تفہیم چاند کی
اب صرف ایک قصہء پارینہ بن گئی
ایٹم کے دَور نے ہر اک شے کو بدل دیا
تہذیبِ نَو کے نام پہ قدریں بدل گئیں
حسِ لطیف مٹ گئی، انسان پٹ گئے
یہ دُور سے چمکتا ہوا چودھویں کا چاند
دراصل پتھروں کا اک ایسا طلسم ہے
جو اس کی چاندنی کے سرابوں میں تیر کر
پہنچے وہاں تو روح تک پتھرا کے رہ گئے
لیکن میں اپنے دور سے بالکل الگ تھلگ

اور اپنے نظریات کو بھی رکھ کے اک طرف
لفظوں کے وہ پرانے مفاہیم چوم کر
سوچوں تو تیرا چاند سا چہرہ دکھائی دے
میں ڈوب جاتا ہوں تری کرنوں کے نُور میں
تیری نگاہوں سے یوں اُمڈتی ہے چاندنی
لیکن میں جانتا ہوں کہ تُو صرف چاند ہے
وہ چاند جس کا دل ہے فقط پتھروں کا ڈھیر
ڈرتا ہوں تیرے قُرب سے پتھرا نہ جاؤں میں
میں چاہتا ہوں صرف تجھے سوچتا رہوں

جب جانتا ہوں دل ترا ہے پتھروں کا ڈھیر
پھر آئینہء روح کیوں ٹکراؤں گا بھلا؟
تسخیر کر کے میں تجھے کیا پاؤں گا بھلا؟
اچھا ہے تجھ کو دور سے ہی دیکھتا رہوں
اچھا ہے تجھ کو دور سے ہی سوچتا رہوں!

میں پھر آنسوؤں کا گلا گھونٹ دوں گا

(زبیدہ کی رخصتی کے بعد)

تصور کے اُجلے دریچے سے میں نے
غمِ زندگی کا جو پردہ ہٹایا
تو یادوں کی سرسبز وادی میں
بیتے دنوں کی ہزاروں حسین اور رنگین گھڑیاں
محبت کے پھولوں کی صورت میں بکھری ہوئی تھیں
ہماری مقدس محبت کے رشتے
تناور درختوں کی صورت میں قائم کھڑے تھے

وہ بچپن، وہ کھیلیں............وہ جھگڑے، وہ چہلیں
وہ ہنسنا، ہنسانا............وہ رونا، رُلانا

وہ مل جل کے پڑھنا............وہ لڑ بھڑ کے کھانا
لڑکپن کے قصے............جوانی کی باتیں
وہ ہنستے ہوئے دن............وہ مسرور راتیں
اسی طرح کے کتنے ہی پھول اب بھی
ہماری محبت کی طرح جواں ہیں
مگر میں انہیں
پھولوں کے ساتھ کانٹوں
کو پا کر ٹھٹک سا گیا ہوں

جدائی کے کانٹے!
مجھے یاد ہے سب
کہ میں ہر جدائی کے موقعہ پہ ہی
آنسوؤں کا گلا گھونٹ دیتا رہا ہوں
جدائی کے دکھ
اصل میں اس حقیقت کا اظہار ہیں
کہ پھولوں سے کانٹوں کا جب تک تعلق رہے گا
سبھی بہنیں ہی اپنے بھائیوں سے یونہی

بچھڑتی رہیں گی

تصور کے اجلے دریچے کے پردے
ابھی تک ہٹے ہی ہوئے ہیں
مِری چاروں سمت اپنی بہنوں کی چاہت
کے پھولوں کی خوشبو بسی ہے
میں اب آنسوؤں کا گلا گھونٹنا بھی نہیں چاہتا
کیونکہ یادوں کی سرسبز وادی میں
بارش کا دلکش نظارہ بھی تو دیکھنا چاہتا ہوں
مگر اب بھی پھر اُس گھڑی
جب مری دوسری بہنیں بچھڑیں گی مجھ سے
میں پھر آنسوؤں کا گلا گھونٹ دوں گا!

ایبٹ آباد

(دن کے وقت)

پہاڑوں کے دامن سے لپٹی ہوئی
یہ حسین اور سرسبز وادی کہ جیسے
کوئی خوبصورت سی، ننھی سی بچی
محبت کا اظہار کرتے ہوئے
ماں کے سینے سے چمٹی ہوئی،
جس کے چہرے کے نقش اور شادابیاں
آنے والی جوانی کی،
بے مثل حُسنِ مجسم کی
جھلکی دکھائیں!

(رات کے وقت)

یہ شہرِ نگاراں ہے یا کوئی
دوشیزہ سلمہ ستارے کے جوڑے میں
ملبوس شرمیلے پن سے کھڑی ہے
اگر اس کے تن پر
یہ سلمہ ستاروں کا جوڑا نہیں ہے
تو پھر اس کے اپنے بدن میں ہی
لاکھوں، کروڑوں ستارے فروزاں ہیں
آنکھوں کو خیرہ کئے دے رہے ہیں

کبھی اس کی جادوگری دیکھ کر
ایسے لگتا ہے جیسے
فلک کے ستارے ہی یہ
جگمگاتا ہوا آسماں لے کے
اس وادیٔ دل نشیں میں اتر آئے ہیں

یا میں خود آسماں پر
کروڑوں ستاروں کے جھُرمٹ میں
چلتا ہوا جا رہا ہوں!

نصف سلور جوبلی

شبِ اوّل کی وہ محجوب سی
اک اوّلیں ساعت
تبسّم زیرِلب
جب گنگناتی خامشی
اک گیت بن کر جسم میں اتری!

پھر اک مدھم ہنسی
مدہوش سرگوشی
مجسم گیت بن کر وہ چہکتا
گیت گاتا اک پرندہ
پھول اور کلیاں
خزاں ناآشنا کِھلتی بہاریں، زندگی!

زندگی
پھر زندگی کی رُوح سے لبریز چہکاریں
جو گاہے کھلکھلاتیں،
شور ہنگامہ بپا کرتیں
جو گاہے جھینپ بھی جاتیں
جواں، سرسبز جسموں کی مہک
شادابیاں
وہ روح کی پاتال تک سیرابیاں!

سرشاریاں
شاداب اور سیراب جسم و جان سے چھلکیں
تو آنگن میں بہاریں اور چہکاریں
دمک اٹھیں
ستارے، پھول، کلیاں
خوشبوئیں اور روشنی......روشن
شرارت، کھیل، جھگڑا اور
صلح و آشتی، پھر آشتی کے ساتھ ہی جھگڑا

کتابیں، کاپیاں، پنسل، قلم اور ہوم ورک
اتنے شرارت سے بھرے چہروں پہ ایسا نُور
یہ معصومیت، پاکیزگی
گنگناتے، کھنکھناتے، جگمگاتے قہقہے
زندگی ہی زندگی

بارہ برس اور چھ مہینے
آج پورے ہوگئے ہیں اپنی شادی کو!

صدا کا سمندر

فضا میں سمندر کی لہروں سی آواز ہے
سمندر کے ساحل سے اس وقت میں
سینکڑوں میل کے فاصلے پہ ہوں، پھر
یہ فضا میں سمندر کی لہروں کی موسیقی
کیوں نشر ہوتی چلی جا رہی ہے
انوکھی صدائیں امنڈتی چلی آ رہی ہیں
مِری رُوح پر چھا رہی ہیں

دسمبر کی یخ بستہ صبحوں میں
سورج نکلنے سے پہلے، فضا میں
پہاڑوں کے کوّوں کی ڈاریں اڑی جا رہی ہیں
انہیں کی صدائیں

سمندر کی لہروں کی میٹھی، سریلی صداؤں میں ڈھل کے
پہاڑوں کے دامن میں الہام بن کر اترتی چلی جاتی ہیں
اور میں اس فضا میں
صدا کے سمندر میں
پرواز کرتا ہوا تیرتا جا رہا ہوں!

منی پلانٹ

زمین سے جُڑا رہوں
تو تب بھی لہلہاؤں میں
زمیں سے کاٹ کر مجھے
بوتلوں میں پانی بھر کے ڈال دو
تب بھی میں ہرا رہوں
پَیر ہی جمانے کی مجھے کہیں جگہ ملے
میں جہاں بھی جا بسوں
وہیں ہرا بھرا رہوں
بلکہ میں جہاں رہوں
نصیب اُس کے جاگ اُٹھیں
میں کوئی خشک شاخ تو نہیں
کسی درخت کی!

فاصلوں میں ملاپ

ترے ہاتھوں کی مہندی اور تری نیندیں
مِری آنکھوں کی سرخی اور میرے رَتجگے
بے شک ہمارے درمیاں جو فاصلے ہیں
اُن کے ہونے کی شہادت ہیں
ہمارے فاصلے پھیلیں یا سمٹیں
پر حدیں قائم ہی رکھتے ہیں
سمٹ کر بھی کبھی یہ قرب کی لذت نہیں دیتے
مگر ان فاصلوں کے درمیاں اک گھر بھی آتا ہے
مری آنکھوں کی سرخی
اور ترے نازک سے ہاتھوں پر سجی مہندی
تری نیندوں کی لذت
اور میرے رَتجگے
اِن فاصلوں کے درمیاں ملتے ہی رہتے ہیں!

محبت کا خدا

گئے موسم کے لَو دیتے ہوئے دُکھ
جب رَگِ جاں میں دہک اُٹھیں
گھروندے خواہشوں کے، خواب کے مسمار ہو جائیں
اور اندھی روشنی کی دُھول رستہ بھی نہ دے
تب جان لینا تم
تمہارے واسطے دنیا میں اک میری محبت ہی
حقیقی روشنی ہے
اور باقی جھوٹ،
جھوٹی منزلیں اور تیرگی کے شہر ہیں
تب آزما کر دیکھ بھی لینا
خلوصِ دل سے جب مجھ کو
بلانے کا ارادہ ہی کرو گی
اپنی شہ رگ سے بھی تم نزدیک پاؤ گی مجھے!

حاصلِ زندگی

میری آنکھیں بھی کب میری آنکھیں ہوئیں
ندیوں کی طرح اس کا پانی کبھی
پتھروں سے الجھتا ہوا،
سر پٹختا ہوا
اور کبھی جیسے خاموش سی جھیل ہو
پھر کبھی ان میں دریاؤں جیسا سکوں
اور کبھی چودھویں رات میں
جیسے کوئی سمندر ہمکتا ہوا
میری آنکھوں کے اِن پانیوں سے
نکل کر کوئی جل پری
کوئی ننھی سی، پیاری سی گڑیا

مِری سمت آئی
تو میں اپنی ننھی ہتھیلی پہ
اُس کو اُٹھائے ہوئے
دوسرے ہاتھ سے اُس کو تھامے ہوئے
یونہی تکتا رہا
اس کے چہرے پہ معصومیت کی چمک
اور شرارت سے مہکا ہوا نُور تھا
میں اسے دیکھتے دیکھتے کھو گیا
(آج تک خود سے کھویا ہوا ہی تو ہوں)
اور پھر جانے کب
وہ مِری آنکھ کے پانیوں میں
کہیں چھپ گئی
تب میں اپنے کنارے پہ ہی،
اپنے جنگل میں ہی
جوگ لے کے یوں بیٹھا
کہ ہر پل میں صدیاں گذرتی گئیں

کتنی صدیوں کے بعد ایک دن
پھر مری آنکھ کے پانیوں سے اچھلتی ہوئی
اور چھینٹے اڑاتی ہوئی

وہ مرے پاس آئی
اس کے چہرے پہ معصومیت اور شرارت کا نور
اور بھی بڑھ گیا تھا، مگر میرا دل تو بجھا تھا
میں گھرے دکھوں اور اداسی کے سایوں میں
جوگی بنا یونہی بیٹھا رہا

تب بالآخر اُسی نے مجھے گدگداتے ہوئے
اپنے ننھے سے ہاتھوں سے تھاما تو ایسے لگا
میں جو صدیوں سے کھویا ہوا تھا
میں
خود کو پھر مل گیا ہوں
یہی خواب
بس اک یہی خواب ہے حاصلِ زندگی!

بہار کے پہلے دن

مِری آنکھوں کی برساتیں
جو شب بھر
تِیرگی سے بجلی کے کوندوں
کے ملنے اور بچھڑنے کا تسلسل دیکھ کر
اپنے سبھی دکھ بھول بیٹھی تھیں
تری مہکی ہوئی زلفوں کو
اور ہنستے ہوئے ہونٹوں کو
اس کی کیا خبر ہو گی
خزاں کی آخری ہچکی
بہار آنے کی پہلی چاپ سے ملنے لگی

تو میری آنکھوں کی گھٹاؤں نے
گواہی دی
مگر جب صبح دم
سورج نے اپنی نرم کرنوں سے
دھنک کے رنگ بکھرائے
تو آنکھوں پر کھُلا جانم
خزاں کی آخری ہچکی
بہار آنے کی پہلی چاپ سے
جب تک نہیں ملتی
خزاں جا ہی نہیں سکتی، بہار آ ہی نہیں سکتی

میں اپنی آخری ہچکی پہ ہوں
اب جلد آ جاؤ!

عجیب دشمن

بہت پہلے
کبھی اس نے بڑے مدھم مگر شفاف لہجے میں
کہا تھا مجھ سے
میرے نائنٹی نائین پائنٹ نائین نائین پرسنٹ
سچے جذبے تیری چاہت کی امانت ہیں
محبت میں ریاضی کی یہ تک بندی مجھے ہرگز نہ بھائی تھی
میں چُپ تو ہو گیا لیکن
وہ اس کا پوائنٹ زیرو ون
جو اس نے میرے سو فیصد سے منفی کر کے
خود ہی رکھ لیا
میری نظر میں چبھ گیا، چبھتا گیا

وہ پائنٹ زیرو ون جذبہ
مِرا دشمن
میں اُس سے خوف کھاتا تھا

پھر اک دن یوں لگا
جیسے وہ پائنٹ زیرو ون بڑھنے لگا
اور بڑھتے بڑھتے خود مرے حصے کے
نائنٹی نائین پائنٹ نائین نائین
سچے جذبوں پر بھی حاوی ہو گیا

ہمارے برج
جدی اور جوزا بھی پھر اس کے دائرے میں آ گئے
جدی کی جوزا سے جوازلی کشمکش ہے
یوں اُبھر آئی
محبت گم ہوئی
جھنجھلاہٹیں، جھلاہٹیں
طعنے، گلے، شکوے

کبھی خاموش لفظوں میں، کبھی کچھ تیز لہجے میں
ہم اب اک دوسرے کے سخت دشمن تھے
مِرا یہ حال تھا
میں اُس کی صورت دیکھنے کو بھی نہ راضی تھا
کچھ ایسا حال اُس کا تھا
اسی حالت میں کتنے دن
کئی صدیوں کی صورت ہم پہ بیتے تھے
پھر اک دن میں نے ہی جانا
کھرے سونے کی بھی اور
چینی میں Sucrose کی اپنی اوریجنل Purity بھی
نائنٹی نائن پائنٹ نائن نائن پرسنٹ ہے
تبھی مجھ پر ہوا یہ منکشف
کہ اُس کی چاہت تو کھرا سونا ہے
خالص، صاف اور شفاف چینی ہے
مِرے اُس سے سبھی شکوے، گلے جاتے رہے
وہ خود بھی راضی ہو گیا

جدی کی اور جوزا کی ازلی کشمکش بھی
حیرتوں میں کھو گئی
لیکن وہیں اگلے ہی لمحے
پھر بدل کر رہ گئے منظر
وہی جھنجھلاہٹیں، جھلاہٹیں
شکوے، گلے، طعنے
کبھی خاموش لفظوں میں، کبھی کچھ تیز لہجے میں
مگر میں دشمنی کے سخت لمحوں میں بھی
یہ سمجھا نہیں اب تک
وہ دشمن کون ہے
جو اُس کی گہری جھیل سی آنکھوں سے
ہر دم ہی مجھے اپنائیت،
لا انتہا اپنائیت کے ساتھ بس تکتا ہی رہتا ہے
جو مجھ سے پیار بھی کرتا ہے
اور دشمن بھی ہے میرا
عجب دشمن ہیں ہم دونوں!

یہ دل

کبھی یہ قرب کے لمحوں میں
فرقت کی سزا مانگے
کبھی یہ ہجر کے عالم میں
وصلِ جاوداں چاہے
کبھی یونہی اُداسی میں گھرا ہو
اور یونہی ہنس پڑے......پھر
پاگلوں کی طرح بس ہنستا چلا جائے
ہنسے اتنا کہ میری آنکھ سے
آنسو ڈھلک آئیں
مِری آنکھوں میں آنسو دیکھتے ہی
آپ بھی بے ساختہ رونے لگے
روتا چلا جائے

میں ہنسنے اور رونے کا سبب
کیا جان پاؤں گا
تمہارے ہجر کی ساعت ہو چاہے وصل کا لمحہ
مگر یہ دل،
یہ پاگل دل، سمجھ میں ہی نہیں آئے
یہ دل ہے یا کوئی کردار اگلی داستانوں کا!

بے فیض موسم کا دکھ

اَسیرِ انا سے کوئی بھی
توقع عبث ہے
وہ صرف اپنی جھوٹی اَنا،
خود پسندی کا قائل
مگر میں کہ اپنی اَنا کا بھی منکر
مِرے عشق میں جسم سے رُوح تک جذب ہو کر
فنا میں بقا کی حقیقت کے مفہوم و معنی نہاں

خوشبوئیں
جذب ہو کے ہواؤں میں
اپنا سبھی کچھ
ہواؤں کو جب سونپ دیتی ہیں

پھیلی ہوئی وسعتوں میں
مہکتی فضاؤں کی صورت
''نہ ہونے'' میں ''ہونے'' کا عرفان کرتی ہیں
لیکن جو اپنی سبھی خوشبوئیں
اپنے اندر سمیٹے
خود اپنی ہی خوشبو میں سرشار ہے
جانتا ہی نہیں ہے
کہ خوشبو جو اندر ہی سمٹی رہے
تو پھر آخر وہ گہرے تعفّن میں ڈھل کر
دلوں کی معطر فضائیں بھی مسموم کرتی ہے

اب اس اسیرِ انا کو جب اس کی خبر بھی نہیں ہے
تو پھر اس سے حیدرؔ
کوئی بھی توقع عبث ہے!

ایک دراوڑ کا پیغام آریاؤں کے نام!

ہزاروں سال پہلے تم
ہوا کے تند جھونکوں کی طرح آئے
ہماری سرزمیں کو روندتے
تم نے گذرنا تھا
مگر تم تو بگولے بن گئے جیسے
جو باغوں، جنگلوں، کھیتوں کو
بس تاراج کرتے تھے
جو ہم پر راج کرتے تھے
تمہارے رقصِ جشنِ فتح میں
صدیوں تلک اڑتے رہے تھے

اصل باشندوں کی آزادی کے،
ان کی عزت وناموس کے ٹکڑے
ہمیں محکوم کر کے تم رہے صدیوں تلک نازاں
یہاں پھر جو ہوا وہ سب الگ قصہ کہانی ہے

چلو چھوڑو اب اس قصے، کہانی کو،
نیا قصہ سنو!
اب میں دراوڑ
خود تمہاری سرزمیں پر آنے کو تیار بیٹھا ہوں
مگر اندھے بگولے کی طرح ہرگز نہیں
میں تو فقط بادِ صبا کے نرم جھونکے
کی طرح دھیرے سے آؤں گا
تمہارے گلشنوں کو تاخت وتاراج
کرنے کو نہیں،
میں ۔۔۔۔۔ بلکہ ان کی
خوشبوؤں کو اپنے من میں

جذب کرنے کے لئے آؤں گا اور
اپنی محبت کے وسیلے سے مجھے
اب آریاؤں کے دلوں پر راج کرنا ہے
سنو، اے آریاؤ!
میں تمہارے پاس آنے کے لئے تیار بیٹھا ہوں!

ہوا

ہوا
یہ شُوکتی، پھنکارتی ناگن ہوا
برہم ہوئی
بل کھا کے جب پلٹی
تو آنچل سر سے ڈھلکا
زہر اس کا
کانچ کی ان چوڑیوں تک بھی
اتر آیا، جو پہنی ہی نہ تھیں

برہم ہوا ڈائن بنی
جب خواب جو دیکھے تھے
جن کا دیکھنا باقی تھا
سارے ٹوٹ کر بکھرے
سرابوں میں بھٹک کر رہ گئے
ڈائن ہوا تب اک بگولہ
بن کے سب کچھ لے گئی
ظالم ہوا ناگن بھی ہے
ڈائن بھی ہے
جو شُوکتے پھنکارتے
اندھے بگولوں سے
ہمارے یوسفوں کی زندگی کی
روشنی کو چاٹتی جائے

مگر ٹھہرو!
ذرا تم دل کے دریا میں

اُتر کر اپنی نَم آنکھوں سے
تھوڑا مسکراؤ اور پھر دیکھو
ہمارے رُوٹھنے والے
بھلا کب ہم سے بچھڑے ہیں
بچھڑتے ہی نہیں، اپنے جو ہیں
وہ تو فقط باہر کی دنیا سے
سفر کر کے
ہمارے دل کے بہتے پانیوں
میں آن بستے ہیں
بتائے ہی بِنا
جب ان کا جی چاہے
ہماری بے کلی کے منظروں کو
خود ہماری آنکھ کے اندر سے
تکتے ہیں
رُلاتے ہیں ہمیں اور آپ ہنستے ہیں
یا شاید خود بھی روتے ہیں!

ذرا پھر دل کے دریا میں اُتر کر
اپنی نَم آنکھوں سے تھوڑا مسکراؤ
اور پھر سوچو!
زمیں، پانی، فضاؤں تک
جہاں بھی زندگی ہے
اس ہوا کی حکمرانی ہے
ہوا نہ ہو اگر تو زندگی معدوم ہو جائے
نہ پھر یہ دل کے دریا ہوں کہ جن میں
روٹھنے والے
مسافت کو ادھورا چھوڑ کر
خود آن بستے ہیں
جہاں ان کی حَسیں یادوں کے سب منظر مہکتے ہیں

ہوا ناگن سہی، ڈائن سہی، لیکن
ہوا تو زندگی بھی ہے!

دعا گزیدہ

سلامت رکھنا مولا!
سر پہ سایہ میرے ابوؑ کا۔۔۔۔۔۔دعا مانگی'
کھلی آنکھیں تو میں دشتِ جدائی میں
سلگتی ریت پر تھا پا برہنہ سا

پھر امی جی کی لمبی عمر کی میں نے
دعائیں کیں
اک آندھی سی چلی اندھی جدائی کی
تو ماں بھی چھِن گئی مجھ سے

کھلے دشتِ جدائی میں سَوا نیزے پہ
سورج جیسی کوئی شے اُتر آئی
تو پھر سائے کی خواہش بھی

دعا کے روپ میں ڈھلنے سے
صاف انکار کر بیٹھی
اسے یہ خوف تھا سائے کے بدلے میں
کہیں سورج ہی سر پر ٹوٹ کر نہ گر پڑے

ہر اک خواہش دعا کے روپ میں
ڈھلنے سے خائف ہے
مگر مولا!
مجھے تجھ سے نہ کوئی بدگمانی ہے
نہ کوئی بے یقینی ہے
دعا کی استجابت کا یقیں بھی ہے
مگر مولا۔۔۔۔۔۔۔مجھے اپنے
سبھی باقی عزیزوں سے محبت ہے
ابھی میں ان کو کھو دینا نہیں ہوں چاہتا مولا!
سو ان کے واسطے کچھ بھی نہیں ہے مانگنا تجھ سے
معافی مانگتا ہوں اب فقط
پچھلی دعاؤں کی!

تیامت

(Tiamat (قدیم عراق) سمیری دیو مالا کی ایک سمندری بلا کا نام تھا)

یہ سنتے تھے
سمندر سے نکل کر
وہ کبھی اوپر چلی آتی
تو خشکی کے مکینوں کے لئے
ویرانیاں، بربادیاں لاتی
وہ مظہر تھی، ہلاکت اور تباہی کا
سبھی مجبور لوگوں پر ستم ڈھاتی
سبھی مقہور لوگوں سے کراتی
احترام اپنا، وہ جابر

قوت و طاقت پہ نازاں
نشۂ تقدیس میں
ڈوبی ہوئی، جب
جھومتی جاتی
ہلاکت اور بربادی کے منظر پھیلتے جاتے

یہ سنتے تھے، مگر اب دیکھتے بھی ہیں
کئی صدیوں تلک سوئی ہوئی، کھوئی ہوئی
جابر تیامت جاگ اٹھی ہے
ہلاکت خیز قوّت اور عظمت کے نشے میں جھومتی
قاہر تیامت ساحلِ مغرب سے نکلی ہے
سمیری سرزمیں کو اب کے اُس نے
صرف خشکی اور پانی ہی نہیں
ساری فضا سے، ہر طرف سے ہر جگہ سے
گھیر رکھا ہے!

☆☆☆

ایک خواہش کی موت

وہ اک بھولی بھالی سی صحرائی خواہش
جو اِس دل کے صحرا میں بستی تھی
آنکھوں میں اُمید کی روشنی کے دیئے سے جلاتی
کبھی دل کے زَم زَم سے چھینٹے اُڑاتی
وہ میرے ہی چھینٹوں سے مجھ کو بھگو کر جو ہنستی
تو جیسے مِرے دل کا صحرا
کھجوروں کے سرسبز میٹھے پھلوں والے
اونچے درختوں کی ٹھنڈک میں
ساری بہاریں سمیٹے ہوئے مسکراتا

مِرے دل کا صحرا کھجوروں کے سرسبز میٹھے پھلوں والے
اونچے درختوں کی ٹھنڈک میں ساری بہاریں

سمیٹے ہوئے مسکراتا تو دہکے ہوئے گرم سورج
کے سینے میں بھی پھول سے کھلنے لگتے

مگر ایک دن کیا ہوا
جانے کیسے ہوا
وہی بھولی بھالی سی صحرائی خواہش
مجھے چھوڑ کر چاند میں جا بسی
پتھروں کے نگر میں وہ جاتے ہوئے
میرے صحرائے دل کو بھی ہمراہ لیتی گئی
اس کے بدلے میں وہ مہرباں
میری آنکھوں کو کوئی سمندر عطا کر گئی
تب سے آنکھوں کو بخشا ہوا یہ سمندر
سدا چاند کی سمت
امنڈتا، چھلکتا
ہمکتا ہی رہتا ہے!

سرسوں کا کھیت

یہ بے اَنت میدان
میدان میں کیاریاں
ہر کیاری میں ہریالیوں کی قطاریں
یہ پودوں کی ہریالیاں اپنی ساری نمو
پیلے پھولوں کو دے کر
انہیں اپنے سر پر سجائے ہوئے جھومتی ہیں
یہ ہریالیاں، یہ خوشی اور مسرت کے پیکر
مگر پیلے پھول ان پہ دکھ کا نشاں ہیں
خوشی اور دُکھ کے ملن کا
انوکھا سماں ہے

یہ بے انت میدان
سرسوں کے سرسبز پودوں سے،
پودوں پہ پھولوں سے
غم اور خوشی سے اَٹا ہے
مرے دل کے نزدیک آ ؤ تو دیکھو یہ میدان کیا ہے!

☆☆☆

تخلیق در تخلیق

خدا خلّاق ہے انسان کی تخلیق کرتا ہے
یہی انساں پھر اپنی جستجو میں خود نئی تخلیق کرتا ہے
یہی انسان لفظوں سے، سُروں سے اور رنگوں سے
کہیں نظموں، کہیں نغموں، کہیں پینٹنگز کو زنجیر کرتا ہے
یہ نظمیں، گیت، تصویریں کہ تخلیقات ہیں اس کی
مگر اس کی طرح یہ سب بھی اپنے اپنے جسموں کے گھروں میں
سانس لیتی ہیں، معانی کے کئی پرتوں کی صورت خود نئی تخلیق
کرتی ہیں، نئی تخلیق میں پھر اپنی ہی تفہیم کرتی ہیں
یہ ہر خلّاق کا، تخلیق کا، جیسے
خود اپنی کھوج، اپنی جستجو، تفہیم کا
تخلیق در تخلیق کا کوئی انوکھا سلسلہ سا ہے
اسی تخلیق در تخلیق ہی میں ارتقا کی داستاں جادو جگاتی ہے

’’کہانی ارتقا کی کیا فقط آگے کو ہی بڑھتی چلی جاتی ہے
یا بس اک دائرے میں گھومنا اس کا مقدر ہے؟‘‘
زمانہ سوچ میں غلطاں و پیچاں ہے!
مگر مجھ سے مری اک نظم سرگوشی میں کہتی تھی:
’’زمانہ جو بھی کہتا ہے، یقیناً اس کی ہر اک بات میں
اک جزوی سچائی بھی ہوتی ہے۔ کہانی ارتقا کی
آگے بھی بڑھتی ہے لیکن دائرے کی شکل میں
ایسے!‘‘

یہ کہہ کر نظم نے اس دائرے کو
ڈرائنگ کر کے ہی دکھایا تھا کہ اس میں سے
کوئی الہامی نغمہ سا اُبھر آیا!

☆☆☆

ماہیے

☆

بچپن کا زمانہ تھا
تتلی کے رنگوں
سے لکھا افسانہ تھا

☆

چمبیلی کی کلیاں تھیں
اپنی جوانی تھی
اور شہر کی گلیاں تھیں

☆

مستی ہے ہواؤں میں
رات کی رانی کی
خوشبو ہے فضاؤں میں

☆

مرجھائے درختوں کو
دیں گی بہاریں کیا
ہم سوختہ بختوں کو

☆

پت جھڑ کی ہوائیں تھیں
سہمے پرندوں کے
ہونٹوں پہ دعائیں تھیں

☆

☆

چلنے کو ترستے ہیں
منزل گم ہے کہیں
بکھرے ہوئے رستے ہیں

☆

سورج ہو کہ خود تُو ہو
رات کے سینے میں
کوئی تیر ترازو ہو

☆

حالات کے دھارے سے
آن لگے آخر
ہم اپنے کنارے سے

☆

چند رشتے

بیٹے

دریا کی روانی ہے
اب مرے بیٹوں میں
مِری گذری جوانی ہے

بیٹیاں

مِری چڑیوں کی جوڑی ہے
اک پہلوٹھی کی
اک پیٹ کھروڑی ہے

بیوی

اک رُوح کا قصہ ہے
میرے بدن ہی کا
جو گم شدہ حصہ ہے

؟

سونے کی انگوٹھی ہے
پیار میں سچی ہے
پر قول کی جھوٹی ہے

خود

جسموں کی اُداسی ہے
جسم ہے آسُودہ
پَر رُوح تو پیاسی ہے

☆

سوہنی ہے نہ ہیر ہے وہ
اس کی مثال کہاں
آپ اپنی نظیر ہے وہ

☆

کچھ ہم نے ہی پی لی تھی
یا پھر سچ مچ ہی
وہ آنکھ نشیلی تھی

☆

جوگی کے نہیں پھیرے
دل جہاں آ جائے
وہیں ڈال دیئے ڈیرے

☆

☆

دن وصل کے تھوڑے ہیں
جی بھر کر مل لو
پھر لمبے وچھوڑے ہیں

☆

وہ نین غزالی تھے
فیصلہ کیا ہوتا
سب اس کے سوالی تھے

☆

کچھ قید سنا دیتے
عشق کے مجرم کو
کوئی تو سزا دیتے

☆

☆

زخموں سے بھرا سینہ
عشق کی دنیا میں
جینا ہے یہی جینا

☆

مسجد ہے نہ مندر ہے
دل یہ ہمارا تو
اک دکھ کا سمندر ہے

☆

آنکھوں میں ستارے ہیں
ہجر کی شب میں بھی
وہ پاس ہمارے ہیں

☆

☆

کُونجوں کی قطاریں ہیں
درد سے کُرلائیں
یادوں کی جو ڈاریں ہیں

☆

دُکھ حق تھا غریبوں کا
تم سے گلہ کوئی
نہ ہی شکوہ نصیبوں کا

☆

اس پیار کی زنجیریں
دل کا ہیں سرمایہ
یہ درد کی جاگیریں

☆

مکالمے کی صورت میں

مرد: کتنے بدنام ہوئے
پیار میں تیرے ہم
پھر بھی ناکام ہوئے

عورت: ناکامی سے ڈرتے ہو
عشق بھی کرتے ہو
بدنامی سے ڈرتے ہو

مرد: اِس حال فقیری میں
عمریں بیت گئیں
زلفوں کی اسیری میں

عورت: زلفوں سے رہا ہو جا
رب تری خیر کرے
جا ہم سے جدا ہو جا

مرد: کیا لطف رہائی کا
دل جب سہ نہ سکے
دُکھ تیری جدائی کا

مرد + عورت: ملنا ہو تو ملتے ہیں
پھول محبت کے
پت جھڑ میں بھی کھلتے ہیں

☆☆☆

☆

کیسی تحریریں ہیں
دشمن اپنے ہی
ہاتھوں کی لکیریں ہیں

☆

چُپ کا افسانہ تھا
دل یہ ہمارا تو
خاموش دوانہ تھا

☆

جاں وار گئے پیارے
جگ تمہیں جیت گیا
ہم ہار گئے پیارے

☆

☆

اَن ہونے کام ہوئے
سِیتا کے ہاتھوں
پتھر بھی رام ہوئے

☆

ہر بات انجانی ہے
پر یہ تمہارا دُکھ
میری ہی کہانی ہے

☆

رُوٹھے کو منانا ہے
وقت جو بیت گیا
پھر واپس لانا ہے

☆

☆

کچھ من کی خرابی تھی
کچھ اس چہرے کی
رنگت بھی گلابی تھی

☆

ماضی کی دشاؤں سے
کون بلاتا ہے
یادوں کی گپھاؤں سے

☆

دوپہر جوانی تھی
پل میں بیت گئی
پھر شام سہانی تھی

☆

☆

اظہار ضروری ہے
پیارا اگر ہو تو
اقرار ضروری ہے

☆

مل مہکی فضاؤں سے
یار نکل باہر
اندر کے خلاؤں سے

☆☆☆

فلیپ پر درج آراء

☆☆ معاصر شاعری میں تازہ کاری اور تازہ دمی کی ایک نمایاں مثال حیدر قریشی اور ان کا کلام ہے۔۔۔ غزل گوئی سے تو ان کی بنیادی دلچسپی ہے ہی (ان کی غزلوں کا ایک مجموعہ " سلگتے خواب" شائع ہو چکا ہے) لیکن انہوں نے نظمیں بھی بہت اچھی کہی ہیں اور بعض نظموں کو پڑھ کر میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوا کہ وہ غزل کے زیادہ اچھے شاعر ہیں یا نظم کے۔۔ادھر انہوں نے اتنی بڑی تعداد میں ماہیے لکھے ہیں اور ماہیے کی صنف کی عروضی حیثیت پر مباحث میں اس طرح حصہ لیا ہے کہ اب ان کی شناخت ماہیے کے بغیر نامکمل ہے اور ماہیے کی شناخت ان کے بغیر۔

حیدر قریشی کے کلام سے ایک نرم دل جذباتی شخصیت ابھرتی ہے جس کے اندر محبت میں سب کچھ لٹانے اور بہت کچھ پانے کا جذبہ موجزن ہے۔۔۔۔۔حیدر قریشی کی شخصیت محبت کے جذبے کو کسی ایک فرد تک محدود نہیں رکھتی خواہ وہ محبوبہ ہی کیوں نہ ہو! وہ محبت کی ہمہ گیری کے قائل ہیں، جو ماں، بیوی، بہن، بھائی بلکہ ساری انسانیت کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔محبت کی یہی وسعت ان کی شخصیت کو توانائی عطا کرتی ہے اور کسی مخصوص مسلک یا عقیدے کے حصار میں مقید ہونے نہیں دیتی۔۔۔۔۔حیدر قریشی انسانوں سے ہی نہیں، بلکہ فطرت سے بھی اسی طرح ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔

مظہر امام (دہلی)

■■■■■■■■■■■■■

☆☆ حیدر قریشی اردو غزل کے نئے افق پر ایک سپوتنک کی طرح بلند ہونے والے ہمارے چند نوجوان شعراء میں شامل ہے۔حیدر کا شعر دردمند بھی ہوتا ہے اور خوش آہنگ و خوش رنگ بھی۔وہ اپنی تخلیقی فصل کے کسی خوشے، بالی، ٹانڈے کو دیمک نہیں لگنے دیتا۔اڑتا ہے تو زمین کو ساتھ لے کر اڑتا ہے۔ہماری جدید غزل میں ایسی اجلی اور پھر ایسی ''مٹیالی'' شاعری کی مثالیں کم کم ملتی ہیں۔میرے نزدیک حیدر قریشی شعراء کے اس عمدہ گروہ کے سرپنچوں میں سے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو جدید غزل کی وہ ساکھ نہ ہوتی، جو ہے۔

سید ضمیر جعفری (اسلام آباد)

■■■■■■■■■■■■■

☆☆ حیدر قریشی کی شاعری میں بے ساختہ پن اور روانی ہے۔ایک بار پڑھنا شروع کیا تو جی چاہا پڑھتی ہی رہوں۔دوسرا اہم وصف بے باکی اور وارفتگی کا ہے جو حیدر قریشی کی شاعری میں نمایاں ہے۔

ڈاکٹر کرسٹینا اوسٹرہیلڈ (ہائیڈل برگ)

■■■■■■■■■■■■■

محبت کے پھول

(ماہیے)

حیدر قریشی

انٹرنیٹ ایڈیشن

Mohabbat Kay Phool

Poetry By: ***Haider Qureshi***

نام کتاب: **محبت کے پھول** (ماہیے)

شاعر: حیدر قریشی

اشاعت اول: ۱۹۹۶ء

تعداد: ۵۰۰

مطبع:

قیمت: ۱۰۰ روپے

انٹرنیٹ ایڈیشن

جنوری ۲۰۱۴ء

نوٹ

''عمرِ گریزاں'' میں جو ۴۲ ماہیے شامل تھے، انہیں اس مجموعہ میں نئی ترتیب کے ساتھ شامل کرلیا گیا ہے۔ **(حیدر قریشی)**

انتساب

امی جی کے نام

پھولوں کی ہے نرمی بھی

اس کی محبت میں
صحراؤں کی گرمی بھی

لگتی تھی دعا ماں کی
نیم شبی شبنم
اور چاندنی کی جھانکی

ترتیب

ماہیے

مہکار ہے کلیوں کی
جیسے دعا کوئی
دھرتی پہ ہو ولیوں کی

☆

محبت کے پھول

ماہیا پنجابی زبان کا لوک گیت ہے۔شادی بیاہ اور خوشی کی تقریبات میں پنجاب کے دیہات میں ماہیے بڑے شوق سے گائے جاتے ہیں۔ ماہیے کا پہلا اور تیسرا مصرعہ ہم وزن ہوتا ہے جبکہ درمیانی مصرعہ اس وزن سے ایک ''سبب'' یعنی دو حرف کم ہوتا ہے۔ پنجابی زبان اتنی لچکدار ہے کہ اس کے الفاظ کو ضرورت کے مطابق کھینچ کر لمبا بھی کر لیا جاتا ہے اور الانگ بھی لیا جاتا ہے۔ زبان کے اس لچکیلے پن کی وجہ سے بعض لوگوں نے یہ خیال کیا کہ پنجابی ماہیے کے تینوں مصرعے ہم وزن ہیں اور بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ اس کا دوسرا مصرعہ پہلے اور تیسرے مصرعے سے بڑھ بھی جاتا ہے۔ ایسی غلط فہمیاں ان لوگوں میں پیدا ہوئیں جنہوں نے ماہیے کو صرف تحریری صورت میں دیکھا لیکن جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا ہے کہ ماہیا پنجابی زبان کا لوک گیت ہے۔ اس لوک گیت کی اپنی ایک مخصوص دھن ہے بہت سارے فلمی گیتوں میں ماہیے پیش کرتے وقت نئے نئے تجربات بھی کئے گئے لیکن تمام تجربات میں ماہیے کی بنیادی دھن کو ملحوظ رکھا گیا چنانچہ ماہیے کی تمام فلمی اور غیر فلمی دھنوں میں اس کی بنیادی دھن کی روح موجود ہے اسی روح سے ماہیے کے وزن کا فیصلہ ہوتا ہے کہ اس کا دوسرا مصرعہ پہلے اور تیسرے مصرعے سے ایک سبب کم ہوتا ہے۔

اردو میں ماہیے کا وزن ابھی تک ان دو صورتوں میں سامنے آیا ہے اور یہ دونوں وزن پنجابی ماہیے کے مطابق درست ہیں۔

۱۔ فعلن فعلن فعلن — کچھ رشتے ٹوٹ گئے
فعلن فعلن فع — برتن مٹی کے
فعلن فعلن فعلن — ہاتھوں سے چھوٹ گئے

۲۔ مفعول مفاعیلن — مل مہکی فضاؤں سے
فعل مفاعیلن — یار نکل باہر
مفعول مفاعیلن — اندر کے خلاؤں سے

اردو میں ماہیا نگاری کی موجودہ لہر کا آغاز اسّی کی دہائی میں ہوا۔تب شعرائے کرام نے پنجابی ماہیے کے وزن کی نزاکت پر غور کئے بغیر تین یکساں وزن کے مصرعوں کے انبار لگانے شروع کر دیئے۔ کسی بھلے مانس کو اتنا خیال بھی نہ آیا کہ کبھی اپنے ''ماہیوں'' کو ماہیے کی دھن میں گنگنا کر بھی دیکھ لے۔ 1990ء میں جب ماہیے کے اصل وزن کی طرف توجہ دلائی گئی تو تین یکساں مصرعوں کے ثلاثی ماہیے کے نام سے پیش کرنے والے شعراء کرام نے بجائے اصلاح کے برہمی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔تب میں نے ایک طرف ادبی رسائل میں وضاحتی خطوط اور مضامین چھپوائے تو دوسری طرف پنجابی ماہیے کے وزن کے مطابق اردو میں بھی ماہیے پیش کرنا شروع کر دیئے۔

میں ابتدائی تین چار برسوں میں صرف ۴۲ ماہیے کہہ سکا۔ وجہ یہ تھی کہ میں ماہیے کہنے کیلئے بھی اپنے تخلیقی لمحوں کی آمد کا منتظر رہتا تھا۔ یہ اولین بیالیس ماہیے میرے دوسرے شعری مجموعہ ''عمر گریزاں'' میں میری غزلوں اور نظموں کے ساتھ چھپ چکے ہیں۔ بعد میں ماہیے کی بحث مزید آگے بڑھی تو اس سے مجھے تحریک ملی اور جب شعراء کی بھاری اکثریت غلط وزن کو چھوڑ کر (میرے بیان کردہ) اصل پنجابی ماہیے والے وزن کو اپنانے لگی تو اس سے بھی مجھے داخلی طور پر خاصی تقویت ملی۔ چنانچہ وقفے وقفے سے آنے والی متعدد تخلیقی لہروں نے میری ماہیوں کی دو سینچریاں پوری کر دیں تو میں نے انہیں کتابی صورت میں پیش کرنے کا ارادہ کر لیا۔

پنجابی ماہیے کا پہلا موضوع تو اپنے ماہی سے باتیں کرنا اور اپنے ماہی کی باتیں کرنا ہی ہے۔ان میں محبوب کے حسن و جمال کی باتیں، پیار کے اقرار اور پیار میں تکرار کی باتیں، عہد و پیمان، ہجر، وصال، گلے، شکوے اور معاملہ بندی کی حد تک پہنچی ہوئی چھیڑ چھاڑ کی باتیں شامل ہیں۔شادی بیاہ کے موقع پر مختلف انسانی جذبات کا اظہار بھی ماہیوں میں ہوتا ہے۔ ماہیے کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوئی تو حمد، نعت، منقبت اور دعائیں بھی ماہیے کے روپ میں کہی گئیں۔ زندگی کے مسائل دکھ سکھ، غم اور خوشیاں اور رشتہ داریاں بھی ماہیے کا موضوع بنتی گئیں۔ ماہیے میں جو بات بھی کہی جاتی ہے فلسفیانہ انداز کے بجائے دل میں اتر جانے والے انداز سے کہی جاتی ہے۔میرے اردو ماہیے، پنجابی ماہیے کی اسی روایت سے جڑے ہوئے ہیں۔سرائیکی النسل ہونے کے باوجود میری مادری زبان پنجابی ہے اس لئے پنجابی ماہیے کی روایت میرے اندر رچی بسی ہوئی ہے۔اس روایت سے منسلک رہ کر اردو میں ماہیے کہنے کے بعد مجھے ہمیشہ تخلیقی آسودگی کا احساس ہوا ہے۔باقی خوب سے خوب تر کی لگن تو آخر دم تک رہتی ہے۔

یوں تو ہر ماہیا اپنی جگہ مکمل نظم ہوتا ہے تاہم میرے بعض ماہیے ایک ہی موضوع کے تحت ایک ہی لڑی میں ہوتے گئے۔اپنے مولا کے حضور، سوہنی دھرتی، مکالمے کی صورت میں، ایک باغ میں ملنے والی ایک لڑکی، ۵ جولائی ۱۹۷۷ء، شادی بیاہ، پھر وہی داستاں اور اکتساب کے عنوان سے جو ماہیے اس کتاب میں شامل ہیں سب اپنی اپنی موضوعاتی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں اور یہ ماہیے اسی تسلسل میں ہوئے تھے جبکہ باقی سارے ماہیے لخت لخت ہوئے تھے۔

''محبت کے پھول'' مرتب کرتے وقت میں نے ان ماہیوں کے موڈ اور موضوع کے مطابق الگ الگ سیٹ بنائے تو یہ بھی بڑی حد تک اپنے اپنے عنوان سے مربوط نظر آنے لگے۔تاہم یہ ماہیے بنیادی طور پر الگ الگ ہیں۔آپ جیسے چاہیں انہیں پڑھ سکتے ہیں۔

کیا ''محبت کے پھول'' کے ماہیے پنجابی ماہیے کے وزن، مزاج اور روح کے مطابق ہونے کے ساتھ ماہیا نگاری میں کسی نئی خوشبو کا احساس دلاتے ہیں؟

اس کا فیصلہ محبت کرنے والے قارئین نے کرنا ہے۔

حیدر قریشی

سب صبحوں کا تاج ہوئی
رحمتِ عالمؐ کو
جس شب معراج ہوئی

☆

دل شہرِ مدینہ ہو
نُورِ محبت سے
روشن ہر سینہ ہو

☆

اپنے مولا کے حضور

☆

تُو خود میں اکیلا ہے
تیرے دم سے مگر
سنسار کا میلہ ہے

☆

تُو خالقِ اعلیٰ ہے
"جو ہر نام سے اور
ہر رُوپ سے بالا ہے"

☆

تاریک تھی، کالی تھی
تیرے مدثرؐ نے
جب دنیا اُجالی تھی

☆

☆

پھیلے تھے اُجالے سے
کملی والےؐ کے
پُر نُور حوالے سے

☆

سب صبحوں کا تاج ہوئی
رحمتِ عالمؐ کو
جس شب معراج ہوئی

☆

القلم گواہی سے
لفظ چمک اٹھے
تھے، نُورِ سیاہی سے

☆

(نوٹ: پنجابی میں روشنائی کو عام طور پر سیاہی کہا جاتا ہے)

☆

اس درجہ کشادہ ہے
شہرِ علمؐ کا دل
بے حد سے زیادہ ہے

☆

کچھ کچھ ہوا اندازہ
طے نہ ہوا ہم سے
جب علم کا دروازہؓ

☆

نکلی ہے یہ دل سے دعا
فیضِ محمدؐ سے
ربِّ زدنی علما

☆

☆

ہمت اور طاقت دے
عہدِ یزیدی میں
شبیرّی شجاعت دے

☆

نفرت کے اندھیروں کو
توڑ مرے مالک
ظلمات کے گھیروں کو

☆

دنیا پہ کرم کر دے
پیار کی سینوں میں
پھر روشنیاں بھر دے

☆☆☆

سوہنی دھرتی

☆

ہریالیاں گندم کی
پہنی ہیں دھرتی
نے بالیاں گندم کی

☆

مکھ دھرتی کا نُورانی
جھومر پیڑ اس کے
کھیت اِس کی ہیں پیشانی

☆

باغات کی افشاں ہے
اور حسیں جنگل
کی زُلفِ پریشاں ہے

☆

☆

کیا رُوپ نکالا ہے
گردن میں اِس کی
دریاؤں کی مالا ہے

☆

جذبوں سا سمندر بھی
سینۂ دھرتی کے
باہر بھی ہے، اندر بھی

☆

جھیلیں اس کے درپن
اور سُرنگیں ہیں
دھرتی کے حسیں کنگن

☆

☆

رُت پیار کے میلوں کی
گجرے کلیوں کے
جھانجھر سی ہے بیلوں کی

☆

خوشبو احساس اس کا
رنگت سرخ، سفید
اور سبز لباس اس کا

☆

پھولوں کی ہے نرمی بھی
اس کی محبت میں
صحراؤں کی گرمی بھی

☆

☆

چشمے کہساروں کے
فیض یہ دھرتی ماں
کے دُودھ کی دھاروں کے

☆

چاند اور ستارے ہیں
ہم سب اِس دھرتی
کے راج دُلارے ہیں

☆☆☆

چند رشتے

☆

برگد کی جٹائیں ہیں
ساتھ مرے اب بھی
ابو کی دعائیں ہیں

☆

تب آنکھ برستی ہے
دل میں کہیں چھپ کر
ماں جب مری ہنستی ہے

☆

لگی تھی دُعا ماں کی
نیم شبی شبنم
اور چاندنی کی جھانکی

☆

☆

ماضی کے حسیں سائے
چار مری بہنیں
اور چار ہیں ماں جائے

☆

یاد آ ہی گئے آخر
کچھ بھی سہی لیکن
بھائی ہیں مرے آخر

☆

رونق سی لگاتے ہیں
یادوں میں جب بھی
باباجی آتے ہیں

☆

☆

تجھ کو بھی کھلاتے تھے
مامی☆ کے کمرے سے
گُڑ جب بھی چُراتے تھے

(☆**ممانی مجیدہ**)

☆

بیٹے

دریا کی روانی ہے
اب مِرے بیٹوں میں
مِری گذری جوانی ہے

☆

بیٹیاں

مِری چڑیوں کی جوڑی ہے
اک پہلوٹھی کی
اک پیٹ کھروڑی ہے

☆

بیوی

اک رُوح کا قصہ ہے
میرے بدن ہی کا
جو گم شدہ حصہ ہے

☆

بہ

سونے کی انگوٹھی ہے
پیار میں سچی ہے
پر قول کی جھوٹی ہے

☆

خود

جنموں کی اُداسی ہے
جسم ہے آسُودہ
پَر رُوح تو پیاسی ہے

☆☆☆

پھول رُت

☆

بچپن کا زمانہ تھا
تتلی کے رنگوں
سے لکھا فسانہ تھا

☆

چمبیلی کی کلیاں تھیں
اپنی جوانی تھی
اور شہر کی گلیاں تھیں

☆

رنگت مرے خوابوں کی
اُس کے بدن میں ہے
خوشبو سی گلابوں کی

☆

☆

مستی ہے ہواؤں میں
رات کی رانی کی
خوشبو ہے فضاؤں میں

☆

رُت آ گئی پھولوں کی
جان کے ہوتی ہوئی
معصوم سی بھُولوں کی

☆

پھولوں سے بھرا آنگن
جیسے کسی الہڑ
دوشیزہ کا ہو جوبن

☆☆☆

داستانیں

☆

چاہت کے اصولوں پر
تھل کا سفر سارا
کر ڈالا بگولوں پر

☆

پنوں تھا کہ بادل تھا
آنکھ میں سسی کی
صحرا کوئی جل تھل تھا

☆

پہلے پُر آب ہوئی
یاد میں سوہنی کی
پھر آنکھ چناب ہوئی

☆

☆

اک بنسی نشانی تھی
کرشن کنہیا اور
رادھا کی کہانی تھی

☆

جب بیٹھی تھی مانجھے میں
ہیر میں تھا رانجھا
اور ہیر تھی رانجھے میں

☆

اَن ہونے کام ہوئے
سیتا کے ہاتھوں
پتھر بھی رام ہوئے

☆☆☆

شادی بیاہ

(مہندی)

☆

اظہار محبت کے
پھول وفاؤں کے
اور ہار محبت کے

☆

اقرار کی گھڑیاں ہیں
جگمگ کرتی ہوئی
یہ سہرے کی لڑیاں ہیں

☆

مہندی جب لال ہوئی
شرم سے بنو بھی
تب لال گلال ہوئی

☆

رنگ مہندی کا گہرا ہے
حُسن خزانہ ہے
اور زُلف کا پہرا ہے

☆

کیا رُوپ ہے دلہن کا
سچی محبت ہی
زیور ہے سہاگن کا

☆

شب تاب نظاروں سے
مانگ رہے روشن
افشاں کے ستاروں سے

☆☆☆

(رخصتی)

☆

یہی رسمِ زمانہ ہے
بابل کے گھر کو
اب چھوڑ کے جانا ہے

☆

رُخصت کی گھڑی آئی
دل ماں کا دھڑکا
آنکھوں میں جھڑی آئی

☆

بارات کا منظر ہے
خوشیوں کا موسم
برسات کا منظر ہے

☆

☆

اَشکوں کی صداؤں میں
رخصتی ہوتی ہے
خوشیوں کی دعاؤں میں

☆

ابریشمی خوابوں سے
سیج سدا مہکے
چاہت کے گلابوں سے

☆

آباد رہیں مولا!
پیار بھرے دونوں
دل شاد رہیں مولا!

☆☆☆

مکالمے کی صورت میں

☆

مرد: کتنے بدنام ہوئے
پیار میں تیرے ہم
پھر بھی ناکام ہوئے

☆

عورت: ناکامی سے ڈرتے ہو
عشق بھی کرتے ہو
بدنامی سے ڈرتے ہو

☆

مرد: اِس حال فقیری میں
عمریں بیت گئیں
زلفوں کی اسیری میں

☆

☆

عورت: زلفوں سے رہا ہو جا
رب تری خیر کرے
جا ہم سے جدا ہو جا

☆

مرد: کیا لطف رہائی کا
دل جب سہہ نہ سکے
دُکھ تیری جدائی کا

☆

مرد + عورت: ملنا ہو تو ملتے ہیں
پھول محبت کے
پت جھڑ میں بھی کھلتے ہیں

☆☆☆

ایک باغ میں ملنے والی ایک لڑکی

☆

ہونٹ اس کے اناری ہیں
گال ہیں اس کے یا
دو سیب قندھاری ہیں

☆

اک خواب ہے جندڑی کا
رس بھری لڑکی ہے
یا آم ہے سندھڑی کا

☆

ان آنکھوں کی مغروری
ہوش اُڑا ڈالے
وہ شربتِ انگوری

☆

☆

خوشبو اناس ایسی
میٹھے سے لہجے
میں، باتیں کھٹاس ایسی

☆

سوہنی ہے یا ہیر ہے وہ
اتنی ہے مجھ کو خبر
جنت کا انجیر ہے وہ

☆

وہ میٹھی کھجور بھی ہے
اونچی مگر اتنی
میری پہنچ سے دور بھی ہے

☆☆☆

میرے دیہات

☆

کھیتوں کے کنارے ہیں
دور تلک پھیلے
فصلوں کے نظارے ہیں

☆

جھنکار بلونے کی
مظہر گاؤں میں
ہر صبح کے ہونے کی

☆

شیشم کی قطاریں ہیں
لُو کے تھپیڑوں میں
راحت کی بہاریں ہیں

☆

☆

منظر ترے گاؤں کے
گرم دوپہروں میں
ہنستی ہوئی چھاؤں کے

☆

چلتے رہیں بَلئیے
محنت والوں کو
ملتے رہیں پھل بَلئیے

☆

ریوڑ کئی بھیڑوں کے
نہر کنارے پر
وہ سلسلے پیڑوں کے

☆

☆

پودے جو کپاس کے ہیں
منظر پھولوں کی
خوشیوں کی آس کے ہیں

☆

خوشبوؤں کے تختوں سے
آتے رہے جھونکے
کِنّوں کے درختوں سے

☆

بُور آ گیا آموں میں
رونقیں جاگ اٹھیں
دیہات کی شاموں میں

☆

☆

اللہ کی گائیں ہیں
باعثِ برکت جو
بوڑھی امائیں ہیں

☆

پگڈنڈیوں کے دل دھڑکیں
بستی میں پکی
جب بچھنے لگی سڑکیں

☆

بجلی کے لگے کھمبے
کٹ گئے، رستے میں
جو پیڑ بھی تھے لمبے

☆☆☆

۵/جولائی ۱۹۷۷ء

☆

تھوڑی سی پرانی ہے
انساں کی، طوطا
چشمی کی کہانی ہے

☆

گلشن پہ عذاب ہوا
توپ کی طاقت سے
اِک گدھ سُرخاب ہوا

☆

بندوق دکھاتا تھا
بلبلوں، چڑیوں کو
دھمکاتا' ڈراتا تھا

☆

☆

جب کوے، چکور ہوئے
فصلی بٹیرے بھی
مِرے دیس کے مور ہوئے

☆

پرواز پہ پابندی
سارے پرندوں کی
آواز پہ پابندی

☆

پوچھے کوئی بگلوں سے
سرخ ہوئے دریا
جب عشق کے پگلوں سے

☆

☆

اک باز کو قید کیا
اور پھر قید میں ہی
اس باز کو صید کیا

☆

کرُلاتی تھیں جب کونجیں
اب تک سینے میں
فریادیں وہی گونجیں

☆

اک کوک تھی کوئل کی
ہوک سی لگتی تھی
لیکن وہ ہر اک دل کی

☆

پھر قصہ ہی پاک ہوا
ایک اڑان میں جب
وہ گدھ بھی ہلاک ہوا

☆☆☆

سلگتے خواب

☆

بے شک ہیں جدا مولا
میرے پیاروں کو
خوش رکھنا سدا مولا

☆

اتنے نہ ترس جائیں
پیاس کے ماروں کی
آنکھیں نہ برس جائیں

☆

کچھ رشتے ٹوٹ گئے
برتن مٹی کے
ہاتھوں سے چھوٹ گئے

☆

☆

کیسی تحریریں ہیں
دشمن اپنے ہی
ہاتھوں کی لکیریں ہیں

☆

چُپ کا افسانہ تھا
دل یہ ہمارا تو
خاموش دوانہ تھا

☆

جاں وار گئے پیارے
جگ تمہیں جیت گیا
ہم ہار گئے پیارے

☆

☆

دُھن کتنی ہی پکی ہو
پیار نہیں چلتا
جب یار ہی شکّی ہو

☆

ہر بات انجانی ہے
پر یہ تمہارا دُکھ
میری ہی کہانی ہے

☆

رُوٹھے کو منانا ہے
وقت جو بیت گیا
پھر واپس لانا ہے

☆

☆

گندم کی کٹائی پر
چھوڑ دیا گاؤں
گوری کی سگائی پر

☆

چلنے کو ترستے ہیں
منزل گم ہے کہیں
بکھرے ہوئے رستے ہیں

☆

حالات کے دھارے سے
آن لگے آخر
ہم اپنے کنارے سے

☆☆☆

عمرِ گریزاں

☆

خوشیوں کی گھڑی آئی
آنکھ کے صحرا میں
یادوں کی جھڑی آئی

☆

تم آم اڑاتے تھے
اور ہم مالی کو
باتوں میں لگاتے تھے

☆

شربت گڑ، ستّو کا
ٹھیلا ہوتا تھا
ترے بابے پھتّو کا

☆

☆

ماضی کی دشاؤں سے
کون بلاتا ہے
یادوں کی گپھاؤں سے

☆

دوپہر جوانی تھی
پل میں بیت گئی
پھر شام سہانی تھی

☆

پیپل کی گھنی چھایا
گذرے زمانے کا
سایہ کوئی لہرایا

☆

☆

وہ نین غزالی تھے
فیصلہ کیا ہوتا
سب اس کے سوالی تھے

☆

اٹھتی ہے کسک پھر بھی
گرچہ ابھی تک ہے
جوبن کی مہک، پھر بھی

☆

دن وصل کے تھوڑے ہیں
جی بھر کر مل لو
پھر لمبے وچھوڑے ہیں

☆

☆

مرجھائے درختوں کو
دیں گی بہاریں کیا
ہم سوختہ بختوں کو

☆

پت جھڑ کی ہوائیں تھیں
سہمے پرندوں کے
ہونٹوں پہ دعائیں تھیں

☆

مل مہکی فضاؤں سے
یار نکل باہر
اندر کے خلاؤں سے

☆☆☆

وصال کا موسم

☆

گل عشق کی شان کی تھی
لت پت ہونا تھا
یہ فصل ہی دھان کی تھی

☆

نیت تھی مری کھوٹی
تم بھی تھے آمادہ
اور کھلتی گئی چوٹی

☆

چڑھتے ہوئے جامن پر
داغ لگا بیٹھے
ترے پیار کا دامن پر

☆

☆

دونوں ابھی بچے تھے
رَل مل کھا بیٹھے
امرود جو کچے تھے

☆

وہ ہاتھ دعا والے
جسم عطا والا
اور ہونٹ شفا والے

☆

دیکھا جو کمادوں کو
جان گئی سجنی
ساجن کے ارادوں کو

☆

☆

کلیوں کی چٹک بھی تھی
سانولی لڑکی میں
اُپلوں کی مہک بھی تھی

☆

غصہ تری اکھیوں کا
شہد سے لب لیکن
چھتہ بھی ہو مکھیوں کا

☆

اک جانگلی لڑکی سے
پیاس میں لسی ہی
پھر مانگ لی لڑکی سے

☆

☆

کچھ من کی خرابی تھی
کچھ اس چہرے کی
رنگت بھی گلابی تھی

☆

کب دل کی وہ چھوٹی ہے
ہے تو کھرا سونا
بس تھوڑی سی کھوٹی ہے

☆

کوئی عجب سی بھول ہوئی
پیار کے سودے میں
قیمت بھی وصول ہوئی

☆☆☆

درد کی جاگیریں

☆

کُونجوں کی قطاریں ہیں
درد سے کُرلائیں
یادوں کی جوڈاریں ہیں

☆

دُکھ حق تھا غریبوں کا
تم سے گلہ کوئی
نہ ہی شکوہ نصیبوں کا

☆

اس پیار کی زنجیریں
دل کا ہیں سرمایہ
یہ درد کی جاگیریں

☆

☆

زخموں سے بھرا سینہ
عشق کی دنیا میں
جینا ہے یہی جینا

☆

مسجد ہے نہ مندر ہے
دل یہ ہمارا تو
اک دکھ کا سمندر ہے

☆

آنکھوں میں ستارے ہیں
ہجر کی شب میں بھی
وہ پاس ہمارے ہیں

☆

☆

نہیں، ہم نہیں روئے تھے
چاند کی کرنوں میں
کچھ موتی پروئے تھے

☆

تُو کس کا سوالی تھا
دامنِ دل جس کا
خود اپنا ہی خالی تھا

☆

سب دُکھ کے فسانے تھے
آنکھ کے آنسو تھے
یا اوس کے دانے تھے

☆

☆

پھرتے ہیں اکیلے میں
ساتھ نہیں کوئی
صدمات کے میلے میں

☆

دکھ درد سے ہاروں کے
دیکھتے آ کے کبھی
حال اپنے بماروں کا

☆

بے نام اُداسی کو
کون سمجھ پاتا
تیرے بَن باسی کو

☆☆☆

محبت کے پھول

☆

سوہنی ہے نہ ہیر ہے وہ
اس کی مثال کہاں
آپ اپنی نظیر ہے وہ

☆

کچھ ہم نے ہی پی لی تھی
یا پھر سچ مچ ہی
وہ آنکھ نشیلی تھی

☆

جوگی کے نہیں پھیرے
دل جہاں آ جائے
وہیں ڈال دیئے ڈیرے

☆

☆

کچھ قید سنا دیتے
عشق کے مجرم کو
کوئی تو سزا دیتے

☆

کیا رنگِ بہار آیا
میک اپ اُس نے کیا
اور دل پہ نکھار آیا

☆

ہر دُکھ ہم بھول آئے
موم ہوئے جب تم
کیکر پہ بھی پھول آئے

☆

☆

مُونجی کی چھڑائی تھی
پہلے پہلے بَلیئے
جب آنکھ لڑائی تھی

☆

بیروں سے لدی بیری
جو مرضی اس کی
اب مرضی وہی میری

☆

کوئی وہم یا جادو تھا
رنگ ہَوا، اُس کا
جسم اُس کا خوشبو تھا

☆

☆

اظہار ضروری ہے
پیارا اگر ہو تو
اقرار ضروری ہے

☆

لمحاتِ حضوری میں
فرق نہیں رہتا
قربت اور دُوری میں

☆

دل شہر مدینہ ہو
نورِ محبت سے
روشن ہر سینہ ہو

☆☆☆

پھر وہی داستاں

☆

اک دیو کا ہے پالا
ایک خزانے پر
اک سانپ ہے رکھوالا

☆

اک ظالم جادوگر
راہ میں آ، آ کے
پھونکے گا کئی منتر

☆

رنگ بدل کے آئے گا
ہر اک موڑ پہ ہی
رہ رہ کے ڈرائے گا

☆

☆

آوازیں بھی آئیں گی
رو کے، کبھی ہنس کے
پیچھے سے بلائیں گی

☆

گھبرا کے یا پھر ڈر کے
مُڑ کے اگر دیکھا
ہو جاؤ گے پتھر کے

☆

اَن دیکھے جہانوں تک
دل نے پہنچنا ہے
چاہت کے خزانوں تک

☆☆☆

خاک نشیں

☆

مل خاک نشینوں سے
چاند طلوع ہوتے
ہیں جن کی جبینوں سے

☆

سورج ان ہاتھوں میں
اور ستاروں کے
اَسرار ہیں باتوں میں

☆

لمحات دُعاؤں کے
رقص کناں منظر
وہ کاہکشاؤں کے

☆

☆

گو خاک پہ رہتے ہیں
لیکن دیکھو تو
افلاک پہ رہتے ہیں

☆

اُلجھے جو فقیروں سے
یوں سمجھو الجھے
اپنی تقدیروں سے

☆

جھُک آئے فلک سائیں
دیکھی تھی ہم نے
بس ایک جھلک سائیں!

☆☆☆

حضرت علیؓ کے بعض فرمودات سے اکتساب

☆

اللہ کو جان لیا
جس نے بھی اپنے
من کو پہچان لیا

☆

اب سمجھ میں آیا ہے
علم کے نقطے کو
جہلا نے بڑھایا ہے

☆

دنیا میں خراب ہوا
محبوب اور محبّ
میں عشق حجاب ہوا

(توحید کا بھید)

☆

وہ شخص ہی جاہل ہے
جو توحیدِ خدا
کے بارے میں سائل ہے

☆

پھر جو اسے سمجھائے
دے کے مثال کوئی
خود شرک میں پڑ جائے

☆

الحاد اسے سمجھو
دعویٰ، سمجھنے کا
توحیدِ مکمل کو

☆

☆

بے حد کے حدود نہیں
ہستیٔ باری کا
ہم جیسا وجود نہیں

☆

وہ اکفر کافر ہے
جو کوئی حیدرؔ
توحید کا منکر ہے

☆☆☆

رنگ برنگ

☆

میں اک ازلی راہی
ساتھ نہ ہو یونہی
پھر سوچ لے چن ماہی

☆

سب ہو گئے سودائی
عشق کی پا نہ سکے
وسعت اور گہرائی

☆

کنڈلیاں دستاروں کی
اہلِ محبت ہیں
زد میں پھنکاروں کی

☆

☆

آنکھوں سے گماں تک کا
اپنا سفر سارا
تھا جسم سے جاں تک کا

☆

ہر خواہش جل گئی ہے
اب کیوں آئے ہو
جب عمر ہی ڈھل گئی ہے

☆

دُکھ، سکھ کو نکھار آئے
بجھتے، چمکتے ہوئے
جیون کو گذار آئے

☆

☆

بادل ہیں گھنیرے سے
چہرہ کوئی اُبھرا
یادوں کے بنیرے سے

☆

دکھ اپنا تو کہہ جاتے
کاجل بن کے تری
آنکھوں سے جو بہہ جاتے

☆

جتنے بے تاب ہوئے
آپ کی چاہت میں
ہم اُتنے خراب ہوئے

☆

☆

کیا اُن کو بتائیں ہم
اُن کی محبت تو
خود سے بھی چھپائیں ہم

☆

پھر رقص میں بادل ہے
چھم چھم بجنے لگی
پھر بوندوں کی پائل ہے

☆

سورج ہو کہ خود تُو ہو
رات کے سینے میں
کوئی تیر ترازو ہو

☆

☆

سرسبز سماں ہوگا
جل گئے خواب اگر
آنکھوں میں دھواں ہوگا

☆

بے دوش چناروں پر
پھل کیسے آتے
تقدیر کے ماروں پر

☆

آسان سفر کر لو
آنکھوں کو دریا
اور دشت کو گھر کر لو

☆

☆

کشکولِ نظر بھر دے
اپنے کرم کی نظر
اے میرے سخی کر دے

☆

کہاں آنکھ مٹکی ہے
پیس کے رکھ دے گی
پتھر کی وہ چکی ہے

☆

قصوں کا بہانہ تھا
دوجے حوالوں سے
دکھ اپنا سنانا تھا

☆

☆

سلور کی وہ تھالی ہے
رنگ کی گوری ہے
پر قسمت کالی ہے

☆

دکھ درد کی دولت کے
یونہی رہیں روشن
یہ داغ محبت کے

☆

بے کار کے رونے سے
کچھ بھی نہیں ملتا
پانی کو بلونے سے

☆

☆

یہ دل بھی لگا کھلنے
لہنگا ہرا پہنے
آیا ہے کوئی ملنے

☆

چاہت کی گواہی تھے
ہم بھی کبھی یارو
اک ہیر کے ماہی تھے

☆

مہکار ہے کلیوں کی
جیسے دعا کوئی
دھرتی پہ ہو ولیوں کی

☆

☆

جب ماہیے کی بات آئی
ساتھ ہی سکھیوں کے
پیتل کی برات آئی

☆

جھجھری بھی بجاتے ہیں
تال پہ تالی کے
جب ماہیے گاتے ہیں

☆

کلیاں سی چٹک جائیں
پھول محبت کے
ہر دل میں مہک جائیں

☆☆☆

تاثرات

☆

’’ماہیا‘‘ پنجابی شاعری کی مشہور مقبول صنف ہے۔اردو میں حیدر قریشی نے اسے رائج کیا اور کچھ اس طرح رائج کیا کہ ماہیا ماہیا کرتا وہ خود ماہیا بن گیا۔اس نے اس صنف کا پودا اردو کی سرزمین میں کچھ یوں کاشت کیا کہ اس کی آبیاری کے لئے لکھنے والوں کی ایک بڑی ٹیم جمع کر لی۔ماہیا کے لئے وضاحتی اور تعارفی مضامین بھی لکھے اور ماہیئے بھی۔**(عمرِ لاحاصل کا حاصل پر لکھے گئے مضمون سے اقتباس)**

حیدر قریشی کے اردو ماہیے پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اس صنف کے مزاج کو پہچانا ہے‘ جانا ہے۔ اپنے اندر اس صنف کو اتارا ہے۔اس کے بعض ماہیے تو ایسے ہیں جن کی مثال اردو ماہیا تو کیا پنجابی ماہیا میں بھی مشکل ہی سے ملے گی۔انہیں پڑھ کر انسان اداس ہو جاتا ہے اور اس کے دل و دماغ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔**(محبت کے پھول پر مضمون سے اقتباس)اکبر حمیدی** (اسلام آباد)

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

حیدر قریشی کے ماہیوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں تشبیہیں انوکھی اور اصلیت پر مبنی ہیں۔مناسبات لفظی اور تلمیحات کا برمحل استعمال ہے۔سادگی انتہا کی ہے۔ان میں جوش بھرا ہوا ہے جو پڑھنے والے کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کا ہنر رکھتا ہے ان کے علاوہ ہندی، انگریزی، جرمن اور پنجابی زبان کے الفاظ سبک روی سے مستعمل نظر آتے ہیں۔اور کہیں کہیں سندھی اور سرائیکی الفاظ بھی راہ پا گئے ہیں۔ یہ قاری پر گراں نہیں گذرتے بلکہ قاری ان سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ یہ ایک عمدہ فنکار کی نشانی ہے۔**ڈاکٹر عبدالرب استاد** (گلبرگہ یونیورسٹی)

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

حیدر قریشی کے ماہیے پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے جہاں ایک طرف اپنے اردگرد کی زندگی کو ایک مفکر کی آنکھ سے دیکھا ہے وہاں دوسری طرف انسان کی عمومی خوشیوں ، یادوں ،سوگواریوں ،غموں،آسوں، امیدوں، حسن پرستیوں، شباب د وستیوں ،آنسوؤں، قہقہوں، ستم ظریفیوں، بیوقوفیوں ،تنہائیوں،حضوریوں،مجبوریوں اور دوریوں کا پرتاثیر انداز سے جائزہ لیا ہے۔

ڈاکٹر سعادت سعید (لاہور)

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

حیدر قریشی کی کتاب ’’محبت کے پھول‘‘ یقیناً اردو ماہیے میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔سب سے خوبصورت بات یہ ہے حیدر قریشی کا اردو ماہیاDiction کی تبدیلی کے باوجود سراسر پنجابی ماہیا ہے اور یہ ان کی بہت بڑی contribution ہے۔انہوں نے موضوع کے اعتبار سے ماہیے کو وسعت ضرور دی ہے مگر اس کی اصلی شناخت کو مجروح نہیں ہونے دیا‘ بلکہ اس کی چال میں ایک بانکپن آ گیا ہے۔میں ان کے ماہیوں سے بے حد لطف اندوز ہوا ہوں۔Inspire بھی ہوا ہوں۔میرے خیال میں ہر حساس قاری اس مجموعے میں دیئے گئے ماہیوں سے شاعر کی عظمت کا قائل تو ہو گا ہی۔۔۔ساتھ ساتھ وہ پنجابی ماہیے کو ایک نئے رُوپ میں دیکھے گا اور یقیناً اسے سراہے گا۔**نیاز احمد صوفی** (لاہور)

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

حیدر قریشی کی تخلیقی صلاحیتوں میں سے جو فیض اور جو حسن اردو ماہیے کو نصیب ہو رہا ہے اس کی اڑان ترقی کی انتہا سے کچھ دور نہیں۔حیدر قریشی کی ماہیا نگاری اور ’’اردو ماہیے‘‘ سے بے پناہ وابستگی اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ ’’اردو ماہیے‘‘ کا مستقبل خوش آئیند اور تابناک ہے۔

شگفتہ الطاف (بھاول پور)

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

ماہیے کو زندہ رکھنا تو خیر ایک ’’فرضِ منصبی‘‘ جیسی اصطلاح معلوم ہوتی ہے اور ایک تخلیق کار کا خون جب لفظوں کی رگوں میں دوڑ کر انہیں ماہیا‘ غزل‘ نظم‘ افسانہ یا کسی اور صورت میں زندگی دے یا یوں کہیے کہ اس کے چہرے پر اپنے رنگ بکھرا جائے تو صنف کی حفاظت پر بات کر کر کے ہم دراصل تخلیق اور تخلیق کار دونوں کی روحوں کو ٹھیس پہنچاتے ہیں۔ ماہیے کو ’’پروان چڑھانے‘‘ کے حوالے سے حیدر قریشی صاحب کا ذکر بار ہا ہوا ہے اور ہوتا رہے گا مگر اہم بات ان کا کلام ہے جو اس صنف میں بھی اتنا ہی توانا اور تازہ ہے جتنا غزل اور نظم میں‘ ورنہ غور کیجئے تو لوگ صنف سے جڑ کر تخلیق کی خوبصورتی اور گہرائی کے بجائے سطحی عوامل‘ مثلاً ہندی/ فارسی لغت یا لہجے میں پھنس کر رہ جاتے ہیں اور تخلیق کے بجائے صنف کی خدمت کے حوالے سے پہچانے جانے پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ایک مستند‘ نابغۂ روزگار ادیب کی یہی سب سے بڑی پہچان ہے کہ وہ ان ’’تجاوزات‘‘ کے پیچھے چھپ نہیں جاتا اور حیدر قریشی صاحب کی زبردست تخلیقی صلاحیت اس بات کا ثبوت ہے۔

فیصل عظیم (امریکہ)

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

دُعائے دِل

(غزلیں، نظمیں)

حیدر قریشی

انٹرنیٹ ایڈیشن

Duaey Dil

Poetry By: ***Haider Qureshi***

نام کتاب: **دُعائے دل** (غزلیں، نظمیں)

شاعر: حیدر قریشی

اشاعت اول: ۱۹۹۷ء

تعداد: ۵۰۰

مطبع:

قیمت: ۱۰۰ روپے

انٹرنیٹ ایڈیشن

جنوری ۲۰۱۴ء

ملا ہے ربط انوکھا گناہ سے اس کا
دعائے دل کا تعلق بھی نیم شب سے ہے

انتساب

ابا جی کے نام

گلابوں کی مہک تھی یا کسی کی یاد خوشبو
ابھی تک روح میں مہکار کا احساس باقی ہے

یہ آنکھ کے آنسو ہیں کہ ساون کی جھڑی ہے
قابو میں نہیں دل کہ حضوری کی گھڑی ہے

ترتیب

ضروری وضاحت

۱۹۹۱ء میں ’’سلگتے خواب‘‘ کی اشاعت کے بعد ۱۹۹۶ء میں میرے دو شعری مجموعے ’’عمرِ گریزاں‘‘ اور ’’محبت کے پھول‘‘ منظرِ عام پر آئے تھے۔ اور اب ۱۹۹۷ء میں نیا شعری مجموعہ ’’دعائے دل‘‘ شائع ہو رہا ہے۔ یکے بعد دیگرے یہ مجموعے آنے کا ایک پس منظر تھا۔

۱۹۹۰ء میں جب میں ’’سلگتے خواب‘‘ مرتب کرنے لگا تھا تب میری بیس نظمیں موجود تھیں۔ مگر میں چاہتا تھا کہ میرا پہلا مجموعہ صرف غزلوں پر مشتمل ہو۔ چنانچہ میں نے ۱۹۹۰ء تک کی اپنی شاعری میں سے ۲۰ نظموں کے ساتھ ایک آزاد غزل اور پانچ غزلیں بھی روک لیں۔ غزلیں روکنے کا مقصد صرف اتنا تھا کہ کتاب کی ضخامت ۱۴۴ صفحات تک رہے۔ ۱۹۹۰ء میں مرتب کردہ میرا شعری مجموعہ ’’سلگتے خواب‘‘ ۱۹۹۱ء میں شائع ہو گیا۔ ۱۹۹۳ء کے وسط تک میں مزید ۲۰ غزلیں اور پانچ نظمیں کہہ چکا تھا۔ اس دوران ۴۲ ماہیے بھی ہو چکے تھے۔ سو میں نے ۲۵ غزلوں، ایک آزاد غزل، ۲۵ نظموں اور ۴۲ ماہیوں کا مجموعہ ’’عمرِ گریزاں‘‘ مرتب کر کے اپنی ناشر کو بھیج دیا۔ یہ شعری مجموعہ ۱۹۹۳ء کے آخر یا ۱۹۹۴ء تک چھپنا تھا لیکن بد قسمتی سے ۱۹۹۶ء میں جا کر شائع ہوا۔ مزید قباحت یہ ہوئی کہ اس میں نہ صرف کتابت کی متعدد غلطیاں موجود تھیں بلکہ کئی مقامات پر اسے میرے اصل مسودہ سے بھی مختلف کر دیا گیا۔

سو یہ سمجھنا چاہیے کہ ’’سلگتے خواب‘‘ اور عمرِ گریزاں‘‘ کی شاعری ۱۹۹۳ء تک کی میری کل شاعری ہے۔ ’’محبت کے پھول‘‘ میں ’’عمرِ گریزاں‘‘ کے ۴۲ ماہیوں سمیت ۲۰۰ ماہیے شامل ہیں۔ یہ باقی ماہیے میں نے ۱۹۹۳ء کے وسط سے لے کر ۱۹۹۷ء کے شروع تک کہے تھے۔

’’دعائے دل‘‘ کی شاعری ۱۹۹۳ء کے وسط سے لے کر ۱۹۹۶ء تک کے عرصہ پر محیط ہے۔ یہ مختصر سا مجموعہ اتنی جلدی لانے کا کوئی ارادہ نہ تھا لیکن بعض وجوہات کی بنا پر اسے شائع کرانا ضروری ہو گیا۔

۱۔ ’’عمرِ گریزاں‘‘ کی کتابت کی اغلاط اور بے جا ترامیم کو دور کر کے اغلاط سے پاک نئے ایڈیشن کو لانے کی ضرورت تھی۔

۲۔ ’’سلگتے خواب‘‘ کا پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا تھا۔ اس کے نئے ایڈیشن کو لانے کی ضرورت تھی۔

۳۔ ۱۹۷۱ء سے ۱۹۹۶ء تک میری شاعری کی عمر پورے پچیس سال بنتی ہے۔ میں نے سوچا کہ پہلی دو کتابوں کے الگ الگ نئے ایڈیشن چھپوانے کی بجائے ۱۹۹۶ء تک کی شاعری ’’دعائے دل‘‘ کے نام سے چھپوا لوں اور پھر چاروں مجموعوں ’’سلگتے خواب‘‘، ’’عمرِ گریزاں‘‘، ’’محبت کے پھول‘‘ اور ’’دعائے دل‘‘ کی شاعری ایک ہی جلد میں لے آؤں۔

سو یوں اب جلد ہی اپنی پچیس سالہ شاعری کا مجموعہ ’’غزلیں، نظمیں، ماہیے‘‘ چھپوانا چاہتا ہوں۔ دعا کریں کہ ایسا کر سکوں!

حیدر قریشی

شوق جو سود یا زیاں کے تھے
سلسلے وہم اور گماں کے تھے

طُور سے بڑھ کے اپنا حال ہوا
صرف اک بار مَن میں جھانکے تھے

جانے کیسے یہاں چلے آئے
ہم کسی دوسرے جہاں کے تھے

رنگ سارے نظر کا تھے جادو
اور سب ذائقے زباں کے تھے

قسمتوں نے ملا دیا ورنہ
تم کہیں کے تھے، ہم کہاں کے تھے

داستاں گو کی ذات سے اُبھرے
جتنے کردار داستاں کے تھے

آج تو کُھل کے ہنس دیئے حیدؔر
دل کے زخموں کے جتنے ٹانکے تھے

☆☆☆

عشق کی دنیا کے اَن دیکھے نگر رہتے ہیں
عُمر تھوڑی سی ہے اور اِتنے سفر رہتے ہیں

ابھی کچھ اور چکانے ہیں زمانے کے حساب
اِس کے کچھ قرض ابھی تک مِرے سر رہتے ہیں

کبھی سوچا ہی نہیں آپ نے، یہ کون ہیں جو
اپنا گھر ہوتے ہوئے آپ کے گھر رہتے ہیں

شہر اک اور وہاں آپ ہی بَس جاتا ہے
جس جگہ جا کے ترے شہربدر رہتے ہیں

متلاطم ہے ابھی تک مِرے دل کا دریا
اور دریا میں بہت سارے بھنور رہتے ہیں

جسم کا سحر، طلسم آنکھ کا، لب کے منتر
اُس میں بھی کتنے فسوں ساز ہنر رہتے ہیں

چور سا آن چھپا ہے مِرے من میں حیدرؔ
اُس کے سینے میں بھی سو طرح کے ڈر رہتے ہیں

☆☆☆

یہ آنکھ کے آنسو ہیں کہ ساون کی جھڑی ہے
قابو میں نہیں دل کہ حضوری کی گھڑی ہے

ہم نے ترے غم میں کوئی مالا نہیں پہنی
سینہ ہی دَمکتے ہوئے زخموں کی لڑی ہے

خاطر میں مگر پھر بھی کہاں لائے کبھی ہم
کب اہلِ ملامت پہ نہ اُفتاد پڑی ہے

موت آئی ہوئی ہے مجھے لینے کے لئے اور
یہ زندگی پاس اپنے ہی رکھنے پہ اَڑی ہے

ہے زندگی و موت میں اک معرکہ برپا
جیتے کوئی، ہم پر یہی اک رات کڑی ہے

سب گزرے ہوئے پیارے مجھے دِکھنے لگے ہیں
یا سامنے آئینے کی دیوار کھڑی ہے

دیکھو ہمیں، ہم ہنستے ہوئے جانے لگے ہیں
کچھ جان پہ گزری ہے نہ نزع کی تڑی ہے

کیا اور محبت کا یقیں اُن کو دِلائیں
دَم آنکھوں میں اَٹکا ہے نظر اُن پہ گڑی ہے

تشریف تو لے آئے وہ حیدؔر دمِ رخصت
سو اپنے لئے اتنی عنایت ہی بڑی ہے

☆☆☆

مستی میں جا رہا ہوں
دُھومیں مچا رہا ہوں

دریا ہوں اور اپنی
مَوجیں اُڑا رہا ہوں

نظروں سے گر گئے ہو
دِل سے اُٹھا رہا ہوں

کیسا جَلا گئے ہو
بُجھتا ہی جا رہا ہوں

سو جاؤ نیند بھر کے
خوابوں میں آ رہا ہوں

چوری پکڑ نہ لے وہ
نظریں چُرا رہا ہوں

نا ممکنات حیدؔر
ممکن بنا رہا ہوں

☆☆☆

آگ اپنے خون سے آخر بجھانی پڑ گئی
کس قدر مہنگی اسے شعلہ بیانی پڑ گئی

صبر کو میرے جو میری بے بسی سمجھے رہا
دیکھ کیسے اُس پہ میری بے زبانی پڑ گئی

ایک مدت سے الگ ہیں جب ہمارے راستے
پھر مِرے قصے میں کیوں تیری کہانی پڑ گئی

تجھ تلک پہنچا ہوں خاصی دیر سے عمرِ کہن
پہلے آنا تھا مگر رہ میں جوانی پڑ گئی

اعتبار اک دوسرے پر کب ہمیں تھا زندگی
جھُوٹی مُوٹی دوستی تھی اور نبھانی پڑ گئی

مُشک جیسی کوئی بھی شے کب چھُپانے سے چھپی
آپ کو پھر کس لئے صاحب چھُپانی پڑ گئی

خوف واقف تھے کسی کے پیار سے حیدرؔ مگر
آزمائی چیز پھر سے آزمانی پڑ گئی

☆☆☆

جو دل میں کش مکشِ نیک اور بد نہ رہے
لہو کی لہروں میں پھر کوئی جزر و مد نہ رہے

یہی تذبذب و تشکیک اب سند ٹھہرے
سند سمجھتے تھے جن کو وہ مستند نہ رہے

خدایا اِن پہ بھی اتنی عنایتیں کر دے
کہ حاسدوں کے دلوں میں کہیں حسد نہ رہے

جب اعتماد نہیں ہے تو دوستی کیسی
وہ دشمنی بھی نہیں ہے کہ جو اشد نہ رہے

سپردگی بھی محبت کا ایک رنگ سہی
مزہ ہی کیا رہا جب اس میں رد و کد نہ رہے

ہماری عمر کی یہ آخری محبت ہے
سو اب کے بار محبت کی کوئی حد نہ رہے

یہ بال و پر تو چلو آ گئے نئے حیدرؔ
بلا سے پہلے سے اپنے وہ خال و خد نہ رہے

☆☆☆

کرتا ہے تجھ سے عشق جو ایمان جان کر
کچھ تو لحاظ اس کا مِرے بدگمان کر

تجھ کو خدائے حُسن تو ہم مان ہی چکے
مت اِس سے بڑھ کے حُسن وجوانی پہ مان کر

بڑھ کر ترے نشانے کی زد پہ خود آؤں گا
پہلے نظر کو تیر، بدن کو کمان کر

اپنے نشے میں تنہا بھٹکنے سے فائدہ
خود کو زمیں پہ لا کے مجھے آسمان کر

اپنی ہوا میں کب تلک اڑتا پھرے گا تُو
میرے چراغِ جسم کی جانب بھی دھیان کر

واجب حضورِ حُسن میں ہوتی ہے نذر بھی
اس بارگہ میں پیش تو دل کا جہان کر

کچھ وہ بھی حیدؔر اب کے بڑے مہربان تھے
کچھ ہم بھی اپنے گھر سے ہی نکلے تھے ٹھان کر

☆☆☆

دشمنِ دل کے جاہ و حشم رہ گئے
اور مِرے ضبط کے بھی بھرم رہ گئے

چار قدموں کا ہے زندگی کا سفر
دو قدم چل چکے، دو قدم رہ گئے

مِٹ گئے تیری تاریخ کے حرف سب
میں نے لکھے جو قصے رَقَم رہ گئے

اِس طرح سے سمٹتے گئے فاصلے
تم رہے اور نہ میں، صرف ''ہم'' رہ گئے

جب بھی سوچا ہے تعریف لکھیں تری
اپنے ہاتھوں میں لے کر قلم رہ گئے

دنیا والے تو ہر فیض پاتے رہے
اہلِ دل کے لئے ہمّ و غم رہ گئے

زخمِ حیدرؔ سبھی بھر دیئے وقت نے
یاد لیکن کسی کے ''کرم'' رہ گئے

☆☆☆

ناز و غرور آپ کو تیر و کمان پر
ہم کو بھی اعتماد ہے اپنی اُڑان پر

پاؤں زمیں پہ اُن کے بھی ٹکتے نہیں کہیں
دل کا دماغ بھی ہے اِدھر آسمان پر

یہ سوچ لیجئے پہلے یہ بازارِ عشق ہے
سودا تو مل ہی جائے گا پر نقدِ جان پر

لہجے کی وہ مٹھاس بھی کیا جانے کیا ہوئی
اندر کا زہر آ گیا اُن کی زبان پر

تذلیل تو ہماری فقط اس لئے ہوئی
آئے نہ حرف پھر کبھی جھوٹوں کی شان پر

اب آگے رخ یہ کونسا کرتی ہے اختیار
حیدرؔ یہ منحصر ہے مری داستان پر

☆☆☆

جتنے دل والے تھے، جتنے بانکے تھے
اہلِ ستم نے اک لاٹھی سے ہانکے تھے

کچھ پہلے عشّاق کا ہی اعزاز نہیں
دشتِ جنوں کی خاک تو ہم بھی پھانکے تھے

چاند، ستارے آتے رہتے تھے کتنے
جب تک مجھ میں منظر کاہکشاں کے تھے

اب الزام لگاتے ہو بِک جانے کا
قیمت میری کل تک تم بھی آنکے تھے

کیوں جھوٹی تقدیس کی باتیں کرتے ہو
کچی عمر میں تم بھی تانکے ، جھانکے تھے

آخر آنے تھے اک دن تو جسم تلک
پیارے جتنے روگ تمہاری جاں کے تھے

جرمن احسانات سبھی برحق حیدؔر
فیض مگر کچھ اور ہی دھرتی ماں کے تھے

☆☆☆

(بڑے بیٹے شعیب کے نام)

محبت کا مزہ ہے ہجر میں بے تاب ہونے تک
بہاریں دل کی ہیں دُکھ درد سے سیراب ہونے تک

ابھی کچھ دُھوپ چمکی ہے، ابھی کچھ برف پگھلی ہے
تمہاری عمر کا دریا چڑھے سیلاب ہونے تک

ذرا آنکھیں چھلکنے دو، ابھی شعلے بھڑکنے دو
تم اپنے عشق کے داغوں کی آب وتاب ہونے تک

مناسب ہے کہ کوئی داستاں اپنی بنا ڈالو
نہیں تو سوہنی کا ساتھ دو غرقاب ہونے تک

زمانے کی حقیقت جاننے سے فائدہ؟ ویسے
حقیقت جان لو گے واقفِ احباب ہونے تک

تمہاری نیند میں ہم زندگی اک اور جی لیں گے
ہمیں آنکھوں میں بھرلینا ہمارے خواب ہونے تک

چراغِ نیم شب حیدؔر ابھی جلتے ہی رہنا ہے
سحر ہونے تلک، ظلمت سے فتح یاب ہونے تک

☆☆☆

ذرا دل کے پتھر کو پانی کرو
فقیروں پہ بھی مہربانی کرو

سدا حُسن قائم تمہارا رہے
دلوں پہ سدا حکمرانی کرو

گلابوں کا تحفہ بھی اچھا لگا
لبوں سے بھی کچھ گُل فشانی کرو

ہمیشہ ہی انکار اچھا نہیں
کبھی بات میری بھی مانی کرو

سدا دولتِ حُسن رہتی نہیں
اسے میرے تک آنی جانی کرو

مرے سبز باغوں میں آؤ کبھی
کبھی سیرِ جاں، یار جانی کرو

(ق)
ثبوتِ وفا بھی دکھاؤ اسے
فدا اس پہ باقی جوانی کرو

وہ حیدرؔ بہت بھولی بھالی سی ہے
اُسے تھوڑی تھوڑی سیانی کرو

☆☆☆

درد و غم سے اسے نکھارتا ہے
عشق انسان کو سنوارتا ہے

برف، بادل، ندی، سمندر، اَشک
پانی بھی کتنے روپ دھارتا ہے

باقی جتنی ہے زندگی دل کی
نذر تیری اِسے گزارتا ہے

اُس پہ سارا معاملہ چھوڑا
اب ڈبوتا ہے چاہے تارتا ہے

خود ہی مطعون ہو گیا آخر
جو فقیروں کو طعنے مارتا ہے

میں تو ساحل کی ریت ہوں پیارے
ریت سے کون گھر اُسارتا ہے

مسترد کرکے جھوٹی تاریخیں
وقت خود جھوٹ سچ نتارتا ہے

کس نے اندر کے در سے دی ہے صدا
کون ہے اور کسے پکارتا ہے

اک فرشتہ ہے عشق کا حیدرؔ
مجھ پہ جو شاعری اُتارتا ہے

☆☆☆

تمہارے نام کے ساتھ اپنے نام کا مطلب
وہی جو ہوتا ہے رادھا سے شام کا مطلب

جو اپنی ہجر بھری زندگی گذار گیا
وہ جان لے گا وصالِ دوام کا مطلب

اُسے خبر ہے کہ رُوئے سخن ہے کس جانب
کہاں وہ سمجھے گا میرے کلام کا مطلب

نمازِ عشق تو پروانہ وار ہوتی ہے
پھر اس میں سجدۂ رکوع و قیام کا مطلب

سجایا خانۂ دل جن کے واسطے حیدرؔ
وہی نہ سمجھے مِرے اہتمام کا مطلب

☆☆☆

جب اُس نے خاک اُڑانے کا ارادہ کر لیا ہے
تو ہم نے دل کے صحرا کو کشادہ کر لیا ہے

حدیں وہ کر گیا ہے پار سب جور و ستم کی
سو ہم نے صبر پہلے سے زیادہ کر لیا ہے

نہیں، اس جیسی عیاری تو ممکن ہی نہیں تھی
زمانے سے ذرا بس استفادہ کر لیا ہے

کچھ ایسا ہے کسی کی سرزمینِ دل کا جادو
محبت کا سفر اب پا پیادہ کر لیا ہے

چلو حیدرؔ غنیمت ہے یہ صندل کی مہک بھی
کہ یاروں نے تو لکڑی کا برادہ کر لیا ہے

☆☆☆

اِسی خموشی کو تیرا جواب ہونا ہے
ہمارے صبر نے سیلِ چناب ہونا ہے

خدا کے نام پہ تم نے بہت خدائی کی
تمہارے جبر کا اب احتساب ہونا ہے

خراب کرلی جوانی تمہاری چاہت میں
اب اِس سے بڑھ کے بھلا کیا خراب ہونا ہے

ابھی کچھ اور بھی الزام وہ لگائے گا
پھر اس کے بعد اُسے آب آب ہونا ہے

شمار زخموں کا شاید وہیں پہ ہو پائے
سُنا ہے اگلے جہاں میں حساب ہونا ہے

جو کھولنے لگیں بابِ قبول خود جاکر
اُنہیں دعاؤں کو اب مستجاب ہونا ہے

کئی برس ابھی گذریں گے ہجر کے حیدؔر
حضورِ مرگ میں تب باریاب ہونا ہے

☆☆☆

صحراؤں کے دامن میں سمندر نہیں رکھا
اب آنکھوں میں ایسا کوئی منظر نہیں رکھا

غم ہو یا خوشی ہو، وہ محبت ہو کہ نفرت
ہم نے کوئی جذبہ بھی چھپا کر نہیں رکھا

دیکھو مجھے اِس حال میں مت چھوڑ کے جانا
دل پر ابھی میں نے کوئی پتھر نہیں رکھا

رہ جائے بھرم یاروں کی خوش قامتیوں کا
خود کو کبھی یاروں کے برابر نہیں رکھا

گو عقل کی ہم فہم و فراست کے ہیں قائل
لیکن اِسے دل کا کبھی افسر نہیں رکھا

انمول رتن بننے سے بے مول ہی اچھے
سر جبر کی سرکار کے در پر نہیں رکھا

لے آئے ہیں ہاتھوں پہ اٹھائے ہوئے حیدرؔ
اوروں کی طرح شانوں پہ یہ سر نہیں رکھا

☆☆☆

آپ کو بھی درپئے آزار ہونا تھا، ہوئے
اور ہم نے زیر بارِ یار ہونا تھا، ہوئے

تہمتوں کے اور بہتانوں کے اعزازات کو
جب ہمارے ہی گلے کا ہار ہونا تھا، ہوئے

لاکھ صحرا اور سمندر بچھ گئے تھے راہ میں
اِن فقیروں نے جہاں سے پار ہونا تھا، ہوئے

خواب کی دنیا میں کتنی دیر تک رہتے بھلا
اک نہ اک دن تو ہمیں بیدار ہونا تھا، ہوئے

عشق میں تکریم بھی اپنا مقدر تھی، ہوئی
اور پھر رُسوا سرِ بازار ہونا تھا، ہوئے

یہ بھی آنا تھا مقام آخر تمہاری چاہ میں
ہم نے اپنے آپ سے بے زار ہونا تھا، ہوئے

ذہن و دل کی جنگ میں خاموش رہتے کس طرح
خود سے حیدرؔ برسرِ پیکار ہونا تھا، ہوئے

☆☆☆

حکمرانی کی تمنّا اتنی خود سر ہوگئی
مل نہ پائی بادشاہت، بادشہ گر ہوگئی

انتہائے تیرگی سے ہوگیا سورج طلوع
پیاس اتنی بڑھ گئی کہ خود سمندر ہوگئی

دوستوں کی خیر خواہی کا گُنہ ایسا ہوا
پڑ گیا بھاری گُنہ، نیکی برابر ہوگئی

روکھے پھیکے پَن کی اب عادت بنانی ہے ہمیں
اتنے میٹھے ہوگئے تھے ہم کہ شوگر ہوگئی

ایک حسرت دل کے گھر میں بس گئی ہے آن کر
ایک خواہش جب سے دل کے گھر سے بے گھر ہوگئی

جبر کے کرب و بلا کی خاک میں رُلتی ہوئی
زندگی بھی حضرتِ زینبؓ کی چادر ہوگئی

جب یزیدِ عصر کے لشکر سے باہر آگئے
حُر سے نسبت اپنی بھی تھوڑی سی حیدرؑ ہوگئی

☆☆☆

جس کام میں بھی لگ گیا حد سے گزر گیا
اِتنا ہوا خراب کہ گویا سُدھر گیا

ہونے لگا ہے پیار اُسی جلد باز سے
جوتوں سمیت جو مِرے دل میں اُتر گیا

بیٹھا ہوا تھا چھُپ کے جو اک ڈر کے روپ میں
تم کھُل گئے تو ذہن سے اُس ڈر کا شر گیا

غالبؔ کے بعد آنا تھا اِس کو اِدھر مگر
سیلابِ عشق تو یہیں آ کر ٹھہر گیا

اُس کے کرم نے کی تھیں ذرا یونہی شوخیاں
ہم نے سمجھ لیا کہ دعا سے اثر گیا

''دستار والے'' خود کو بچا کر نکل گئے
ہم ''ننگِ سر'' تھے اس لئے اپنا ہی سر گیا

پریوں کے جمگھٹے میں جو اِندر بنا رہا
عمرِ عزیز! وہ ترا حیدرؔ کدھر گیا

☆☆☆

دکھوں کو جھیل جانا آ گیا ہے
ہمیں بھی مسکرانا آ گیا ہے

سلگتے تھے کبھی چُپ چاپ خود میں
مگر اب جگمگانا آ گیا ہے

نصیبِ عاشقی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اللہ اکبر!
جبیں تک آستانہ آ گیا ہے

بہت بَن ٹھَن کے اب ملنے لگے ہو
تمھیں دِکھنا، دِکھانا آ گیا ہے

اُٹھا لو تیر اب نظروں کے پیارے
کماں تک خود نشانہ آ گیا ہے

کھِلا پہلے گلاب ایسا بدن اور
اب اُس کو لہلہانا آ گیا ہے

وہ سچ مچ آ گیا ہے دسترس میں
کہ جھولی میں خزانہ آ گیا ہے

مہک جو دے اُٹھے اِس عمر میں بھی
ہمیں وہ گُل کھلانا آ گیا ہے

یہ کس چکر میں حیدرؔ پڑ گئے ہو
یہ تم پر کیا زمانہ آ گیا ہے

☆☆☆

ادھیڑ عمر تمناؤں کو جواں کرنا
کسی کا پھر دلِ ناداں کو خوش گماں کرنا

وہ ایک کشتی پہ اپنی رفاقتوں کا سفر
اور اس کا سر کے دوپٹے کو بادباں کرنا

وہ پہلے روکنا اُس ساحلِ مراد کا اور
پھر اس کا خود ہی مجھے خود پہ بیکراں کرنا

وفورِ شوق میں اُس خود سپردگی کے سبب
وہ راہِ عشق میں اِس جان کا زیاں کرنا

وہ اپنا ملنا، وہ خاموشیاں وہ یکجائی
وہ بے زبانوں کو پھراپنا ہم زباں کرنا

وہ اس کے جسم کی دلکش عنایتِ پیہم
وہ دن میں قوسِ قزح، شب میں کہکشاں کرنا

وہ ٹوٹ ٹوٹ کے آنا ہمارا چاہت میں
اور اس کا ویسے ہی وہ چشم مہرباں کرنا

ہوئے ہیں ایک تو اب ایک ہی رہیں دونوں
کسی کو بھی نہ مِرے اپنے درمیاں کرنا

وصالِ یار کا احوال بس کرو حیدرؔ
زیادہ اس سے نہ کچھ اور اب بیاں کرنا

☆☆☆

حالتِ دل کا اُس پہ اثر ہو گیا
وہ مِرا بے خبر، باخبر ہو گیا

کوئی دشتِ جنوں ہے نہ شوقِ جنوں
تو مِرا پیار بھی جسم بھر ہو گیا

کچھ خطا بھی مِری بے ارادہ ہوئی
اور کچھ اُن سے بھی درگزر ہوگیا

وَلولے دل کے پھر سے جواں ہوگئے
نسخہءِ دل لگی کارگر ہو گیا

وسوسے یونہی گھیرے رہے تھے ہمیں
کام ہونا تھا جو بے خطر ہوگیا

جسم سے روح اور روح سے جسم تک
طے محبت کا سارا سفر ہوگیا

منزلِ وصل جیسے ہی طے ہو گئی
قصہٗ عشق بھی مختصر ہوگیا

☆☆☆

چاہے وہ بال بچوں والی ہے
دل کی منطق مگر نرالی ہے

اب تماشہ تو خود بخود ہوگا
بات خود آپ نے اُچھالی ہے

موت کو چھُو کے دیکھنا ہے ذرا
زندگی اپنی دیکھی بھالی ہے

رُوح میری بھی ہے کھرا سونا
تیری دنیا اگر کٹھالی ہے

دُکھ تو بے شک بہت ہوا لیکن
اُس کی چاہت تو آزما لی ہے

دوستی میری بے مثال ہے تو
دُشمنی بھی مِری مثالی ہے

بیج بویا تھا پیار کا حیدرؔ
لگتا ہے فصل پکنے والی ہے

☆☆☆

تختِ شہی تھے جس کی نظر میں حقیر سے
اُس کے تعلقات ہیں اب ہر امیر سے

آخر لکیر اپنے فقیروں کو کھا گئی
بس اک فقیر بچ گیا ہٹ کر لکیر سے

اب آپ کربلا کوئی بے شک سجایئے
دھوکہ ہم اور کر نہیں سکتے ضمیر سے

عشق اپنے بیچ ہے فقط اک قدرِ مشترک
نسبت مگر کوئی نہیں مجنوںؔ کی ہیرؔ سے

حکمِ رہائی اس کے لئے موت ہی نہ ہو
بہتر ہے پہلے پوچھ لو اپنے اسیر سے

سارے اساتذہ ہیں مجھے محترم مگر
غالبؔ کا معتقد ہوں محبت ہے میرؔ سے

حیدرؔ نئے ادب میں تو گھائل انہیں کا ہوں
رشتہ بہت ہی گہرا ہے آغاؔ وزیر سے

☆☆☆

ہمارے ہونٹوں پہ حرفِ وصال باقی ہے
جواب مل چکا، پھر بھی سوال باقی ہے

یہ ڈھلتی عمر بھی شعلے مِرے بجھا نہ سکی
لہو میں اپنے ابھی اشتعال باقی ہے

تمہارا حُسنِ خدا داد تو نہ رہ پایا
مگر فقیر کا حُسنِ خیال باقی ہے

کچھ اور بڑھ گیا ہے سلسلہ تذبذب کا
یقین ختم ہوا، احتمال باقی ہے

ہم اپنے آپ کو اب تک منا نہیں پائے
بس اک یہی ہے جو کارِ محال باقی ہے

ابھی تو زور ہی ٹوٹا ہے جابروں کا، ابھی
نظامِ جبر کا پورا زوال باقی ہے

منافقت کا ہنر آسکا نہ حیدرؔ کو
ہنروروں میں یہی بے کمال باقی ہے

☆☆☆

یوں حُسنِ ضیا بار کی خیرات عطا کر
جو ختم نہ ہو وَصل کی وہ رات عطا کر

پتھر کا بنا کے، کبھی مُردوں سے اُٹھا کے
اِن رَس بھرے ہونٹوں کے طلسمات عطا کر

کچھ دیتے ہی رہنے میں تری شان ہے پیارے
خوشیاں نہیں دے سکتا تو صدمات عطا کر

اب عمر کا یخ بستہ و ویران سفر ہے
اِس وقت مجھے دھوپ کی برسات عطا کر

موسم کا کرم ہو کوئی اِس سُوکھے شجر پر
ممکن نہیں پھَل، پھُول، تو چل پات عطا کر

اس حُسن کے دربار میں غزلوں کے ذریعے
یونہی مجھے توفیقِ مناجات عطا کر

خواہش تھی کہ اک بار کبھی خود سے بھی ملتے
فرصت کبھی اے گردشِ حالات عطا کر

میرے لئے کافی ہے یہ دنیائے ادب میں
جو دی نہیں اوروں کو وہی بات عطا کر

جو اپنی تجلی سے منور رہے ہر دم
حیدؔر کو وہی معرفتِ ذات عطا کر

☆☆☆

تھوڑا سا اس لئے ہوں میں سرکار سے پرے
ہر دائرہ ہے نقطۂ پرکار سے پرے

بس روز روز ایسے ہی ملتے رہیں ہمیں
غزلیں بہت سی ہیں ابھی اظہار سے پرے

جذبات میرے آپ سے کچھ مختلف نہ تھے
اب تک رہے ہیں آپ تو بے کار سے پرے

صاحب! ابھی ہم اتنے بھی بوڑھے نہیں ہوئے
ہونے لگیں جو زلف اور رخسار سے پرے

جتنا قریب جانے کی خواہش شدید تھی
اتنا ہی کر دیئے گئے دلدار سے پرے

حیدرؔ کبھی تو ہوں گے کسی در سے فیضیاب
کب تک رہیں گے حُسن کے دربار سے پرے

☆☆☆

چٹان تھا وہ سو اُس میں شرر بھی رہتا تھا
شدید ضرب کا مجھ میں ہنر بھی رہتا تھا

اُسی کے دَم سے ہمیں اعتبارِ حُسن ہوا
دیارِ حُسن میں اک معتبر بھی رہتا تھا

یقین تھا کہ محبت کا پاک جذبہ ہے
مگر لہو میں بہت شور و شر بھی رہتا تھا

کشادہ رکھتا تھا بانہیں وہ میرا دریا دل
پر اُس کے دل میں کہیں اک بھنور بھی رہتا تھا

وہ رونقیں بھی مِرے گھر کو بخشتا تھا مگر
وہ میرے گھر میں کہیں در بدر بھی رہتا تھا

اگرچہ لمبی مسافت کا دَم نہ تھا اُس میں
مگر ہمیشہ مِرا ہم سفر بھی رہتا تھا

وہ منزلوں کا مسافر تھا اور میں رستوں کا
نڈر بھی بنتا تھا، اُس کو حذر بھی رہتا تھا

کسی کے جسم کا جادو جگا دیا جس نے
ہماری پوروں میں ایسا اثر بھی رہتا تھا

یہی خیال بہت ہے اِس عمر میں حیدرؔ
ہماری دُھن میں کوئی بے خبر بھی رہتا تھا

☆☆☆

نکلے تھے جس کے واسطے افلاک چھوڑ کر
جانا کہاں ہے اب اُنہیں یہ خاک چھوڑ کر

دَستار کے وہ پیچ بھی برحق سہی مگر
ہم جاسکے نہ زُلف کی پیچاک چھوڑ کر

اہلِ خرد کو ذوقِ جنوں تو نہیں ملا
لَوٹ آئے بس وہ فہم اور ادراک چھوڑ کر

مٹی کو شکل چاک پہ ملتی ہے، ٹھیک ہے
ملتی ہے شخصیت مگر وہ چاک چھوڑ کر

نادان دشمنوں کو لگاتا نہیں میں منہ
جاتا نہیں ہوں دشمنِ چالاک چھوڑ کر

حیدؔر نگاہِ عشق کا جادُو بھی دیکھ لو
آیا ہے حُسن ناز کا فتراک چھوڑ کر

☆☆☆

دل کی حالت کچھ اضطراری ہے
بے قراری سی بے قراری ہے

کوئی تبدیلی چاہیئے دل کو
کیسی یکسانیت سی طاری ہے

پہلے دیوی بنایا ہے تجھ کو
پھر تری آرتی اُتاری ہے

ہم سزا وارِ وصل ٹھہرے ہیں
غلطی حالانکہ یہ تمہاری ہے

راس آتی نہیں خوشی کوئی
اپنی دُکھ دَرد ہی سے یاری ہے

داؤ پر جو ہمیں لگا بیٹھا
وقت شاید کوئی جواری ہے

ہم نے بھوگا ہے صرف اِسے حیدؔر
ہم نے کب زندگی گذاری ہے

☆☆☆

اگلی نسلوں میں چلی جائے روانی اپنی
زندگی! ختم نہیں ہوگی کہانی اپنی

اپنے بچپن سے جوانی کے زمانے تک کی
سونپ دی بچوں کو ہر ایک نشانی اپنی

وہی جذبے بھی، دعائیں بھی، تمنائیں بھی
منعکس ہونے لگی عمر دوانی اپنی

وہی ہونٹوں کو نہ تکلیف تکلم دینا
بات کرلینا وہ آنکھوں کی زبانی اپنی

زور برسات کا ٹوٹا تو دھنک سی بکھری
زندگی ہوگئی کچھ اور سہانی اپنی

صورت ابُو کی اُبھر آئی مِرے چہرے میں
دے گئی کیسی خوشی جاتی جوانی اپنی

آج اولاد کے آئینے میں حیدؔر ہم نے
تازہ کرلی ہے ہر اک یاد پرانی اپنی

☆☆☆

دریا کہ نہر میں ہوں
پر اپنی لہر میں ہوں

کہنے کو صرف پل بھر
اور سارے دہر میں ہوں

پتھر کے لوگ سارے
جادو کے شہر میں ہوں

یہ کون مہرباں ہے
یہ کس کے قہر میں ہوں

تریاق بن کے حیدؔر
نفرت کے زہر میں ہوں

☆☆☆

مرجھائے ہوئے پھول کی خوشبو ہے کہ تُو ہے
یہ حُسن کا ٹُوٹا ہوا جادُو ہے کہ تُو ہے

آنکھوں کو یقیں آیا نہیں خود پہ ابھی تک
اک وہم سا پھیلا ہوا ہر سو ہے کہ تُو ہے

مٹنے ہی جو والا ہے ابھی خاک پہ گر کر
پلکوں پہ لرزتا کوئی آنسو ہے کہ تُو ہے

پھر وقت کے برگد کے تلے گیان کی دھن میں
نکلا ہوا گھر سے کوئی سادھو ہے کہ تُو ہے

حیدؔر شبِ یلدا کی سیہ سرد فضا میں
یہ بجھتا، چمکتا ہوا جگنو ہے کہ تُو ہے

☆☆☆

ہم بھی چالاک تھے اور تم بھی جہاں دیدہ تھیں
نیتیں دونوں کی کب دونوں سے پوشیدہ تھیں

وہ نہ اقرار ہی کرتی تھیں نہ تکرار کبھی
جتنی وہ سیدھی تھیں، کچھ اتنی ہی پیچیدہ تھیں

کام جو ہونا تھا وہ دن کے اجالے میں ہوا
ہم پشیماں تھے نہ تم ہی ذرا رنجیدہ تھیں

اور پھر جسم سے ہم روح تلک پہنچے تھے
مرحلے عشق کے تھے، خواہشیں شوریدہ تھیں

آخری بار کا ملنا بھی عجب ملنا تھا
ہم پریشاں، وہ کسی سوچ میں غلطیدہ تھیں

بس ترے بعد ترے غم سے محبت رکھی
سینکڑوں خوشیاں اگرچہ مِری گرویدہ تھیں

جانے کس یاد کے جادو کی گھڑی تھی حیدرؔ
دلِ طرّار کی سب شوخیاں سنجیدہ تھیں

☆☆☆

ہمارا سلسلہ بغداد سے، عرب سے ہے
اور اُس کا سلسلہ چنگیز کے نسب سے ہے

زمیں کے جھوٹے خداؤں سے کچھ نہیں لینا
مِرا معاملہ اب صرف اپنے رب سے ہے

سدا رہا ہے جو درباریوں کے نرغے میں
اُسی کا پالا پڑا ایک بے ادب سے ہے

ملا ہے ربط انوکھا گناہ سے اِس کا
دعائے دل کا تعلق بھی نیم شب سے ہے

یہ کاروبارِ محبت تو فائدہ دے گا
اُسے رسد سے غرض اور مجھے طلب سے ہے

امنڈ رہا ہے سمندر جو پیاس کا اتنا
کچھ اِس کا رشتہ کسی عارض اورلب سے ہے

ہماری بے خبری بھی بجا سہی حیدؔر
پر اُس کی برہمی بھی تو کسی سبب سے ہے

☆☆☆

روشنی کا استعارہ کر لیا
دل نے ہر آنسو ستارا کر لیا

بے وفا دنیا سے کچھ تو نبھ گئی
ساتھ کیا تھا بس گزارا کر لیا

گلستاں اُس نے کیا تھا آگ کو
ہم نے شبنم کو شرارہ کر لیا

کم نہیں ہم بھی ثمود و عاد سے
کیوں لحاظ آخر ہمارا کر لیا

تیری وحدت سے سمجھ پائے تجھے
اور کثرت میں نظارہ کر لیا

کون ہے پھر اب مِرے دُکھ کا سبب
خواہشوں سے تو کنارا کر لیا

آج حیدرؔ موڈ ہی کچھ اور تھا
سو غزل میں استخارہ کر لیا

☆☆☆

نئی شالاط

وہ شہد اور زہر میں گوندھے ہوئے
سوئے ہوئے سارے زمانے جاگ اٹھے ہیں
ہماری داستاں تو داستاں در داستاں کا سلسلہ سا ہے
مگر اس بار لگتا ہے کہانی ہی نرالی ہے
نہ اب وہ آریاؤں کے ہلاکت خیز حملے ہیں
نہ دشتِ قیس ہے، نَے خسرو پرویز کے حیلے
نہ اب تھل کا سفر درپیش، نَے تختِ ہزارہ ہے
نہ اب گجرات کی جانب رواں جانِ بخارا ہے
فقط میں ہوں!
فقط میں ہوں اکیلا، تنہا اپنے آپ سے بچھڑا ہوا
پھر بھی تمہاری سادگی کے حُسن میں یکجا ہوئے جاتے ہیں
لیلیٰ، شیریں، سسی، ہیر اور سوہنی کے سب جلوے

تمہاری آریائی روح جیسے سرزمینِ دل پہ پیہم حملہ آور ہے
مگر یہ کیسے حملے ہیں
مسیحائی کی بھی تاثیر رکھتے ہیں
یہیں تک ہوتا گر قصہ تو پھر بھی دل کے بچنے کی
کوئی تدبیر ممکن تھی
مگر اب کے ستم یہ ہے
کہ میں اردو کا اک ٹوٹا ہوا شاعر بھی ہوں جاناں!
جو المانی زمیں تک جانے کیسے آن پہنچا ہوں
جو تم تک آن پہنچا ہوں!

دعا

الٰہی!

کعبۂ دل کی طرف نظرِ کرم فرما
کہ اس پر ابرہہ، اک لشکرِ جرّار لے کر چڑھتا آتا ہے
یہ ہاتھی والے اپنی نوکلیسیائی عظمت کے لئے
اِس کعبۂ دل کو بڑا خطرہ سمجھتے ہیں
سو اِس کو ایک ہی ریلے میں
اب پامال کرنے پر تُلے،
چڑھتے ہی آتے ہیں
ادھر میں ابنِ عبدالمطلب بھی، اپنے بابا کی طرح
اس لشکرِ جرّار سے لڑنے کی طاقت ہی نہیں پاتا
مجھے ان ہاتھی والوں سے تو اپنے اونٹ

واپس مانگنے کی بھی نہیں ہمت

خداوندا!
یہ اندھے ظلم کے ہاتھی
یہ جابر۔۔۔۔۔جَور کے ساتھی
حطیمِ دل تلک بھی آن پہنچے ہیں

مِرے مولا!
تجھے معلوم ہے یہ کعبہءِ دل تو ترا گھر ہے
سو اپنے گھر کے مالک اپنے گھر کی خود حفاظت کر
اس اندھے ظلم کے عفریت کو
اور جبر کی اس رِیت کو پامال کر ایسے
کہ دنیا پھر ابابیلوں کے ہاتھوں
ہاتھی والوں کی ہلاکت کا نظارہ دیکھ لے مالک!

تاثرات

☆☆میں آپ کی شاعری کا مداح بلکہ دلدادہ ہوں۔**ڈاکٹر وحید قریشی**(لاہور)

....

☆☆حیدر صاحب کے یہاں ایسے اشعار کی بھی کمی نہیں جو روایت اور نئے پن کو ساتھ لے کر چلتے ہیں اس قسم کے اشعار کہنا آسان نہیں۔**کالی داس گپتا رضا**(بمبئی)

....

☆☆ اُردو شاعری کے بہت سے شعراء کے شعروں سے اُن کی زندگی کے اہم واقعات کا سراغ مل سکتا ہے لیکن میری دانست میں حیدر قریشی اردو کے واحد شاعر ہیں جنہوں نے اپنے بارے میں اپنی شاعری ہی میں بہت کچھ بتا دیا ہے اتنا کچھ کہ اگر کوشش کی جائے تو اُن کی ایک مکمل سوانح عمری مرتب کی جا سکتی ہے۔ **ڈاکٹر شفیق احمد**(بھاول پور)

....

☆☆حیدر قریشی کی شاعری محض نظارے کی شاعری نہیں،شمول کی شاعری ہے۔یہ شمولیت غمِ جاناں کی بھی ہوسکتی ہے اور غمِ دوراں کی بھی۔غمِ جاناں کا تعلق محبت سے ہے اور غمِ دوراں کا تعلق مشقت سے۔کتاب کا نام ''سلگتے خواب'' اور اس کے اندر کا مواد دونوں طرح کی شمولیت کا اعلان کرتا ہے۔اس تیور اور زندہ لہجے کے شاعر کی خو محض تماشہ بین نہیں ہوسکتی۔عصری آگہی کی اصطلاح صحیح معنوں میں اس طرح کی شاعری پر صادق آتی ہے۔**ادیب سہیل**(کراچی)

....

☆☆حیدر قریشی نے بڑی محنت ،خلوص اور لگن کے ساتھ اپنا شعری سفر جاری رکھا اور ایک نئی جہت اختیار کی۔ان کے وژن میں وسعت پیدا ہوئی۔۔۔۔مجھے خوشی ہے کہ حیدر قریشی کا شعری سفر رفتار کی منزلیں طے کر رہا ہے۔**انوار فیروز**(راولپنڈی)

....

☆☆میں ایک طویل عرصے سے آپ کی بے پناہ شعری صلاحیتوں کا معترف اور لائق صد رشک علمی فضیلت اور ادبی مقام کا معتقد ہوں۔آپ کی محبت سے میرا دامن معطر ہے۔اردو ماہیے کی

ترویج واشاعت کے سلسلے میں آپ نے جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ان کا اعجاز ہے کہ اس صنف کی جانب بہت سے ذہین لکھنے والے متوجہ ہو گئے ہیں۔۔۔مجھے آپ کے خیالات سے مکمل اتفاق ہے۔**ڈاکٹرغلام شبیر رانا**(جھنگ)

....

غزالہ طلعت(خان پور)

☆☆حیدر قریشی کی غزل میں اس کے دکھ اور اس کی خوشیوں کا انداز ایسا ہے کہ یہ سب اپنا اپنا سا لگتا ہے۔قاری کے دل میں اس طرح گھر کر لینا حیدر قریشی کی غزل کی کامیابی کا ثبوت ہے۔۔۔حیدر قریشی کی شاعری غزل،نظم اور ماہیا تینوں میں اپنا جادو جگاتی ہے۔اس کی شاعری پڑھتے ہوئے بعض اوقات ایسی کیفیت ہو جاتی جو غالب کے کہنے کے مطابق میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے،اور جب یہ کیفیت نہیں ہوتی تب اس کی شاعری ویسے ہی سیدھی دل میں اتر جاتی ہے۔ان دو کے سوا کوئی تیسری کیفیت یا حالت حیدر قریشی کی شاعری میں نہیں ہے۔گویا قاری کے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہے۔

....

فرحت نسیم ہاشمی(اسلام آباد)

☆☆میرے نزدیک حیدر ایسے شاعر ہیں جو ہر جذبے، ہر درد، ہر غم ، ہر کرب ، ہر رشتے میں دھڑکتے دل کی ہر کیفیت کو بہت گہرائی کے ساتھ محسوس کرتے ہیں اور پھر اسے لفظوں میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں۔حیدر کی شاعری بظاہر کاغذ پر لکھی گئی ہے مگر یوں لگتا ہے جیسے وہ اپنے پڑھنے والوں کی قلبی سرزمین پر لفظوں اور حرفوں کی ایک بڑی فصل اُگا رہے ہیں،جس میں کھلنے والے مہکتے پھول پڑھنے والوں کے کئی لمحوں کو مہکا دیتے ہیں اور امید کے ایسے در وا کرتے ہیں کہ پڑھنے والا دیر تک اس سحر سے آزاد نہیں ہوتا۔

....

مسعود منور(ناروے)

☆☆ آپ کی ساری غزلیں پڑھ لی ہیں۔ابھی تک نشے میں ہوں۔زندہ باد!۔

....

دردسمندر

(غزلیں،نظمیں،ماہیے)

حیدرقریشی

انٹرنیٹ ایڈیشن

Dard Sumandar

Poetry By: ***Haider Qureshi***

نام کتاب: **دردسمندر** (غزلیں،نظمیں،ماہیے)
شاعر: حیدرقریشی
اشاعت اول: ۲۰۰۵ء
تعداد: ۵۰۰
مطبع:
قیمت: ۱۰۰روپے

انٹرنیٹ ایڈیشن
جنوری ۲۰۱۴ء

تم نے وہ منظر ہی کب دیکھے ہیں، جب
درد سمندر، دل دریا میں گرتے ہیں

انتساب

ماموں صادق کے نام

آنکھوں میں ابھی دھول سی لمحوں کی جمی ہے
دل میں کوئی سیلاب سا رونے کے لئے ہے

اس درد خزانے کے
چل دو نفل ہی پڑھ
رب کے شکرانے کے

ترتیب

دردسمندر

سلگتے خواب، عمرِ گریزاں، محبت کے پھول اور دعائے دل، میرے پہلے چار مجموعوں کی اشاعت کے بعد ان چاروں مجموعوں کو ۱۹۹۸ء میں ایک جلد میں ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' کے نام سے شائع کیا گیا تھا۔اس کے بعد جو شاعری ہوئی، اسے ''دردسمندر'' کے نام سے ایک مختصر مجموعہ کی صورت میں ترتیب دے لیا۔لیکن اسی دوران 'غزلیں، نظمیں، ماہیے' کے نئے ایڈیشن کی اشاعت کا پروگرام بنا تو میں نے ''دردسمندر'' کو الگ سے شائع کرانے کی بجائے ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' میں پانچویں مجموعہ کے طور پر شامل کرنا بہتر سمجھا۔گویا 'غزلیں، نظمیں، ماہیے' میں پہلے میرے چار مجموعے شامل تھے تو نئے ایڈیشن میں پانچ مجموعے شامل ہو جانا تھے۔اسے ۲۰۰۲ء۔۲۰۰۱ء تک برادرم نذر خلیق نے شائع کرانا تھا۔انہوں نے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا تھا اور اسی کے زیرِ اہتمام یہ کتاب چھپنے جا رہی تھی لیکن پھر بعض وجوہات کی بنا پر ڈاکٹر نذر خلیق اپنے اشاعتی ادارہ کو قائم نہ رکھ سکے اور یہ منصوبہ معلق ہو گیا۔

۲۰۰۵ء میں دہلی سے شاہد ماہلی صاحب نے ''عمرِ لاحاصل کا حاصل'' کا پہلا اور عوامی ایڈیشن شائع کیا۔اس میں میری نثر کی چھ کتابوں کے ساتھ شاعری کی پانچ کتابیں بھی شامل تھیں۔گویا سال ۲۰۰۱ء میں ترتیب دیا ہوا شعری مجموعہ 'دردسمندر' قدرے تاخیر سے سامنے آیا، اور پاکستان سے ڈاکٹر نذر خلیق صاحب کے ادارہ کی جانب سے ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' میں چھپنے کی بجائے دہلی سے معیار پبلی کیشنز کی جانب سے ''عمرِ لاحاصل کا حاصل'' میں شامل ہوا۔اس کے بعد 'عمرِ لاحاصل کا حاصل' کے لائبریری ایڈیشن (۲۰۰۹ء) میں اور انٹرنیٹ ایڈیشن (۲۰۱۲ء) میں بھی ''دردسمندر'' شامل رہا۔اب جو میں انٹرنیٹ پر اپنے الگ الگ شعری مجموعوں کی ای بکس لا رہا ہوں تو 'دردسمندر' بھی الگ سے پیش کر رہا ہوں۔یہاں ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' کے اُس ایڈیشن کا پیش لفظ ''مزید عرضِ حال'' بھی درج کر رہا ہوں جو تب بوجوہ شائع نہ ہو سکا تھا۔تاہم اس میں جو باتیں لکھی گئی تھیں، اب بھی اپنے قارئین کو ان میں شریک کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔سو اب نیچے

۲۰۰۱ء کا لکھا ہوا پیش لفظ پیش کرتا ہوں اور اسی کے ساتھ اپنی بات مکمل کرتا ہوں۔

....

مزید عرضِ حال

(غزلیں، نظمیں، ماہیے'' کے نہ چھپ سکنے والے دوسرے ایڈیشن کے لیے ۲۰۰۱ء کا تحریر کردہ)**

''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' کا پہلا ایڈیشن ۱۹۹۸ء میں شائع ہوا تھا۔اس میں ۱۹۹۶ء تک شائع ہونے والے میرے چار شعری مجموعے یکجا کئے گئے تھے۔اس کے بعد یعنی ۱۹۹۷ء کے بعد سے اب تک جو مزید غزلیں، نظمیں اور ماہیے کہہ چکا ہوں۔ان کو'' دردسمندر'' کے نام سے ترتیب دے دیا ہے۔پہلے ارادہ تھا کہ یہ مختصر سا مجموعہ الگ سے شائع کرالوں۔اسی دوران ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت ہونے لگی تو میں نے مناسب سمجھا کہ ایک مختصر سا مجموعہ الگ سے چھپوانے کے بجائے اس مجموعہ کو بھی اس ایڈیشن میں شامل کرلوں۔سو اب یہ کتاب ''غزلیں، نظمیں، ماہیے'' اپنے دوسرے ایڈیشن میں میرے چار شعری مجموعوں کے بجائے پانچ شعری مجموعوں کا مجموعہ بن گیا ہے۔''دردسمندر'' میں چند تخلیقات اکیسویں صدی کی عطا ہیں تاہم زیادہ تر تخلیقات ۱۹۹۷ء سے ۲۰۰۰ء کے دورانیے میں ہوئی ہیں۔ اس لحاظ سے ''غزلیں' نظمیں، ماہیے'' میں شامل پانچوں مجموعوں کی بیشتر شاعری بیسویں صدی میں کہی ہوئی شاعری ہے۔سو بیسویں صدی کی اپنی یہ شعری تخلیقات میں اکیسویں صدی کی نذر کرتا ہوں۔

اکیسویں صدی کی ابتدا انسانیت کے لئے کچھ اچھی ثابت نہیں ہو رہی۔نفرتوں کی نئی صورتیں نشو و نما پا رہی ہیں اور ان کے خاتمے کا کوئی امکان دکھائی نہیں دے رہا۔نفرت اور دہشت کی مسموم فضا میں شروع ہونے والی اکیسویں صدی کے لئے میں ایک بے مایہ سا شاعر محبت کے تحفہ کے طور پر اپنی اب تک کی کل شاعری پیش کر رہا ہوں۔مجھے احساس ہے کہ اکیسویں صدی کی بارگاہ میں شاید یہ حقیر تحفہ قبول نہ ہو۔پھر بھی ایک فقیر کی گدڑی میں جو کچھ موجود ہے، پیش ہے۔

حیدر قریشی

Rossertstr.6,Okriftel, 65795Hattersheim,Germany

عروج کیا ہے، زوال کیا ہے
خوشی ہے کیا اور ملال کیاہے

یہ گردشِ ماہ و سال کیا ہے
زمانے! تیری یہ چال کیا ہے

بھلے ہو وقتی اُبال چاہت
مگر یہ وقتی اُبال کیا ہے

ہوس تو بے شک ہوس ہی ٹھہری
پہ جستجوئے وصال کیا ہے

ہے دل کوئی بے کنار صحرا
کہ آرزوؤں کا جال، کیاہے

حقیقتیں تو فریب نکلیں
جہانِ خواب و خیال کیا ہے

سوال جو اتنے کر رہے ہو
تمہارا اصلی سوال کیا ہے

ہر ایک رنجش بھلا چکے ہو
تو دل کے شیشے میں بال کیا ہے

خدا ہے مشکل کُشا تو حیدرؑ
کوئی بھی کارِ محال کیا ہے

☆☆☆

خود اپنے واسطے آزارِ جاں ہونے لگا ہوں
کسی نامہرباں پر مہرباں ہونے لگا ہوں

غزل کے روپ میں جو قصہ خواں ہونے لگا ہوں
تو یوں لگتا ہے تیری داستاں ہونے لگا ہوں

کچھ عرصہ خوش گمانی بھی رہی ہے اس سے بے شک
مگر اس شوخ سے اب بدگماں ہونے لگا ہوں

مجھے معلوم ہے سلطان جابر کیا کرے گا
مگر میں کلمۂ حق ہوں ، بیاں ہونے لگا ہوں

کسی کی ناروا پابندیوں کو توڑ کر اب
دلوں میں گونجنے والی اذاں ہونے لگا ہوں

گھٹن کب دیر تک رستہ ہوا کا روک پائی
اسے کہہ دو کہ میں پھر سے رواں ہونے لگا ہوں

مجھے دھرتی پہ ہی رہنا تھا ہر حالت میں حیدرؔ
مگر یہ کیا ہوا کہ آسماں ہونے لگا ہوں

☆☆☆

وصل کی شب تھی اور اُجالے کر رکھے تھے
جسم وجاں سب اُس کے حوالے کر رکھے تھے

جیسے یہ پہلا اور آخری میل ہوا ہو
حال تو دونوں نے بے حالے کر رکھے تھے

کھوج رہے تھے رُوح کو جسموں کے رستے سے
طور طریقے پاگلوں والے کر رکھے تھے

ہم سے نادانوں نے عشق کی برکت ہی سے
کیسے کیسے کام نرالے کر رکھے تھے

وہ بھی تھا کچھ ہلکے ہلکے سے میک اپ میں
بال اپنے ہم نے بھی کالے کر رکھے تھے

اپنے آپ ہی آیا تھا پھر مرہم بن کر
جس نے ہمارے دل میں چھالے کر رکھے تھے

حیدرؔ اپنی تاثیریں لے آئے آخر
ہجر میں ہم نے جتنے نالے کر رکھے تھے

☆☆☆

موسم کی بے مہر فضا میں گرتے ہیں
سوکھے پتے سرد ہوا میں گرتے ہیں

رہتی ہے پرواز کی خوش فہمی اُن کو
جو اپنے اندر کے خلا میں گرتے ہیں

گرتے ہیں تو گرتے ہی جاتے ہیں پھر
اہلِ ستم جب مکرو ریا میں گرتے ہیں

گیت سناتے ہیں جھرنے کے گرنے کا
حرف جو خاموشی کی صدا میں گرتے ہیں

تم نے وہ منظر ہی کب دیکھے ہیں، جب
درد سمندر، دل دریا میں گرتے ہیں

یا آنکھوں میں خاک برستی تھی حیدؔر
یا اب پیہم اَشک دُعا میں گرتے ہیں

☆☆☆

طے ہو گیا اک وصل سفر اور مکمل
یہ چوٹی بھی اب ہو گئی سَر اور مکمل

خِیرہ ہوئی تھیں آنکھیں، خزانے کی دَمک سے
جب کھل گئے اُس حُسن کے دَر اور مکمل

آسیب بنے بیٹھے تھے مدت سے جو دل میں
خود اُس نے نکالے وہی ڈر اور مکمل

تردیدِ شبِ ہجر میں روشن سی کوئی شب
پھیلی رہی تا حدّ سَحر اور مکمل

اب تجھ سے بھی ملنا نہ میسر رہا اے دل
تجھ میں تو وہی کر گیا گھر اور مکمل

جتنے بھی تری ذات سے وابستہ ہیں پیارے
الزام لگا دے مِرے سَر اور مکمل

ہو جائے نہ مغرور کہیں اور وہ حیدرؔ
اب اُس سے کرو صَرفِ نظر اور مکمل

☆☆☆

اب کے اُس نے کمال کر ڈالا
اک خوشی سے نڈھال کر ڈالا

چاند بن کر چمکنے والے نے
مجھ کو سورج مثال کر ڈالا

پہلے غم سے نہال کرتا تھا
اب خوشی سے نہال کر ڈالا

اک حقیقت کے رُوپ میں آ کر
مجھ کو خواب و خیال کر ڈالا

دُکھ بھرے دل سے دُکھ ہی چھین لئے
اور جینا وبال کر ڈالا

ایک خوشخط سے شخص نے حیدرؔ
ہم کو بھی خوش خیال کر ڈالا

☆☆☆

جو بَس میں ہے وہ کر جانا ضروری ہو گیا ہے
تری چاہت میں مَر جانا ضروری ہو گیا ہے

ہمیں تو اب کسی اگلی محبت کے سفر پر
نہیں جانا تھا' پر جانا ضروری ہو گیا ہے

ستارا جب مِرا گردش سے باہر آ رہا ہے
تو پھر دل کا ٹھہر جانا ضروری ہو گیا ہے

درختوں پر پرندے لَوٹ آنا چاہتے ہیں
خزاں رُت کا گزر جانا ضروری ہو گیا ہے

اندھیرا اِس قدر گہرا گیا ہے دل کے اندر
کوئی سورج اُبھر جانا ضروری ہو گیا ہے

بہت مشکل ہوا اندر کے ریزوں کو چھپانا
سو اب اپنا بکھر جانا ضروری ہو گیا ہے

تجھے میں اپنے ہر دُکھ سے بچانا چاہتا ہوں
ترے دل سے اُتر جانا ضروری ہو گیا ہے

نئے زخموں کا حق بنتا ہے اب اِس دل پہ حیدؔر
پُرانے زخم بھر جانا ضروری ہو گیا ہے

☆☆☆

جو میرے لکھے سے استفادہ بھی کر رہا ہے
خلاف باتیں وہی زیادہ بھی کر رہا ہے

کبھی نہ ہو تنگ حوصلہ اُس کا میرے مالک
جو زخم دے کر اسے کشادہ بھی کر رہا ہے

کبھی نہ ملنے کے فیصلے پر بھی ہے وہ قائم
دوبارہ ملنے کا کچھ ارادہ بھی کر رہا ہے

وہ جانتا ہے یقین مجھ کو نہیں ہے بالکل
تبھی تو اتنے یقیں سے وعدہ بھی کر رہا ہے

ضرور اس میں بھی پیچ حیدؔر کہیں پہ ہوگا
وہ ظاہراً چاہے بات سادہ بھی کر رہا ہے

☆☆☆

وہ جو ابھی تک خاک میں رُلنے والے ہیں
سُچے موتیوں میں اب تلنے والے ہیں

اپنی ذات کے دروازے تک آ پہنچے
بھید ہمارے ہم پر کھلنے والے ہیں

دودھ بدن ہے وہ تو مصری کوزہ ہم
سو اب اُس کے عشق میں گھلنے والے ہیں

واقفیت ہے اِن سے اپنی برسوں کی
دُکھ تو ہمارے ملنے جلنے والے ہیں

آنکھیں اس کی بھی ہیں اب برسات بھری
حیدؔر مَیل دِلوں کے دُھلنے والے ہیں

☆☆☆

اس دربار میں لازم تھا اپنے سر کو خم کرتے
ورنہ کم از کم اپنی آواز ہی مدھم کرتے

اس کی انا تسکین نہیں پاتی خالی لفظوں سے
شاید کچھ ہو جاتا اثر، تم گریۂ پیہم کرتے

سیکھ لیا ہے آخر ہم نے عشق میں خوش خوش رہنا
درد کو اپنی دوا بناتے، زخم کو مرہم کرتے

کام ہمارے حصے کے سب کر گیا قیس دوانہ
کونسا ایسا کام تھا باقی جس کو اب ہم کرتے

ہر جانے والے کو دیکھ کے رکھ لیا دل پر پتھر
کس کس کو روتے آخر، کس کس کا ماتم کرتے

دل تو ہمارا جیسے پتھر سے بھی سخت ہوا تھا
پتھر پانی ہو گیا، سوکھی آنکھوں کو نم کرتے

بن جاتا تریاق اسی کا زہر اگر تم حیدرؔ
کوئی آیت پیار کی پڑھتے اور اس پر دَم کرتے

☆☆☆

اک خواب کہ جو آنکھ بھگونے کے لئے ہے
اک یاد کہ سینے میں چبھونے کے لئے ہے

اک زخم کہ سب زخم بھلا ڈالے ہیں جس نے
اک غم کہ جو، تا عمر بلونے کے لئے ہے

اک روح کہ سونا ہے مگر مَیل بھری بھی
اک آگ اسی مَیل کو دھونے کے لئے ہے

آنکھوں میں ابھی دھول سی لمحوں کی جمی ہے
دل میں کوئی سیلاب سا رونے کے لئے ہے

دل کو تو بہت پہلے سے دھڑکا سا لگا تھا
پانا ترا شاید تجھے کھونے کے لئے ہے

کشتی کا یہ ہچکولہ، یہ ملّاح کا چکّر
کشتی کو نہیں، مجھ کو ڈبونے کے لئے ہے

تقدیر سے لڑ سکتا ہے کوئی کہاں حیدرؔ
وہ حادثہ ہونا ہے جو ہونے کے لئے ہے

☆☆☆

چلو اک نظم لکھتے ہیں

وہی موسم، وہی رستے،
وہی شام وسحر، یکسانیت، بے کیف سے لمحے
گنہ کی رغبتیں، اشکِ ندامت
نیکیوں کی لذتیں
اسرار جتنے ہو چکے ہیں منکشف،
اپنا تحیر کھو چکے ہیں
اب مسرّت غم زدہ ہے
اور حیرت کی چمک بجھنے لگی ہے،

جستجو سونے لگی ہے

بدن سے روح تک کے کتنے ہی اسرار تھے
جو کھل چکے کب کے
کسی تپتے ہوئے صحرا کی گرمی پی گئے دریا
عجب سیرابیاں تھیں، پیاس کی لذت ہی کھو بیٹھے
نہ اب کوئی غزل یا ماھیا کہنے کی
اندر سے کوئی تحریک ہوتی ہے
نہ سردی اور گرمی میں کوئی تفریق ہوتی ہے
چلو ٹھہرے ہوئے ان موسموں میں
کوئی تبدیلی سی لاتے ہیں
تحیّر کی نئی دنیاؤں کی سوئی ہوئی سی
جستجو بیدار کرتے ہیں، مسّرت کو ہنساتے ہیں
چلو اس بلب کا سوئچ آف کر کے
موم بتی کو جلاتے ہیں
قلم کاغذ اٹھاتے ہیں

کئی برسوں کی اس یکسانیت کی گرد کو
سر سے جھٹکتے ہیں
ذرا رستہ بدلتے ہیں
چلو اک نظم لکھتے ہیں!

محبت کا ایک یادگار دن

تب زندگی مسرور تھی
آنکھوں میں صبحِ نُور تھی
اُس صبح سے دوپہر تک
بوسوں کی بہتی نہر تھی، اور زندگی کی لہر تھی
کیا زندگی کی لہر تھی جس سے جنم لیتی ہوئی
اک خوبصورت شام تھی
اس خوبصورت شام میں شمشیرِ بے نیام تھی
وہ شام جب ڈھلنے لگی
رنگوں بھری برسات تھی

خوابوں بھری کیا رات تھی، تعبیر جن کی ساتھ تھی

اور پھر اسی تعبیر میں، لے کر قلم تقدیر سے

سارے زمانوں سے بھرا وہ ایک دن

میرے ہی نام لکھ دیا

راہِ فنا میں عشق نے دل کو دوام لکھ دیا!

مبارک باد اور پُرسہ

(صلاح الدین پرویز کے لئے)

صلاح الدین!

میری اور تمہاری دکھ کہانی ایک جیسی ہے

تمہاری دکھ کہانی کے سبھی کردار

میری داستاں میں صرف اپنے نام کی

تبدیلیوں کے ساتھ آتے ہیں

وہی سفّاک اور بے رحم،

نفرت کے پجاری

زندگی میں زہر سا گھولے چلے جاتے ہیں۔۔۔

دھرتی کو بدل لوں،

سوچ کے انداز کو، ایمان کو اور

زندگی کے گیان کو بھی چھوڑ دوں

تب بھی یہ ظالم لوگ سُکھ کا سانس لینے ہی نہیں دیتے

خدا جانے یہ مجھ سے کس لئے خائف ہیں؟
کیوں مجھ کو ڈراتے ہیں؟

صلاح الدین!
ان سفّاک کرداروں کی سفّاکی سے
اتنا جان پایا ہوں
کہ میں جیسے منو کے دور کا شودر ہوں
اپنے ہر جنم، ہر دَور میں، ہر حملہ آور کا نشانہ ہوں

صلاح الدین،
میری اور تمہاری دکھ کہانی ایک جیسی ہے
تو پھر اس دکھ کا رونا کیوں تمہارے سامنے روؤں
چلو اس دکھ کہانی کے ملن کی اس خوشی میں
میری جانب سے مبارک باد اور پُرسہ!

ماہیے

بچپن، لڑکپن

☆

بچپن کے خزانے میں
کتنے زمانے تھے
اُس ایک زمانے میں

☆

اک یاد تھی بستے میں
کھو گئی جانے کہاں
اِس عمر کے رستے میں

☆

☆

جو چاہا بنا ڈالا
لکھا سلیٹوں پر
جب چاہا مٹا ڈالا

☆

دن تو وہی اچھے تھے
جب اسکول کے ہم
چھوٹے سے بچے تھے

☆

کوئی کچی پنسل تھا
پیار ہمارا بھی
سعیِ لاحاصل تھا

☆

☆

تختی کو سُکھاتے تھے
خواب سہانے تھے
پَر دِل کو دُکھاتے تھے

☆

وہ سُر ، سنگیت گیا
قلم،دواتوں کا
اک دور تھا، بیت گیا

☆

ہر رسم اُٹھا دی ہے
''کوکلا'' کھیلے ہیں
بچپن کو صدا دی ہے

☆

☆

کچھ یادیں اُترتی ہیں
بکھری ٹھیکریاں
''پِٹھُو'' کی سنورتی ہیں

☆

جیتا، کبھی ہارا تھا
''گلی، ڈنڈا'' بھی
اک کھیل ہمارا تھا

☆

''فٹ بال'' میں تیکھے تھے
اور ''کبڈی'' کے
کچھ داؤ بھی سیکھے تھے

☆

☆

''اشٹاپُو'' کے خانوں میں
قید ہے دل اب تک
بچپن کے زمانوں میں

☆

چاہت کی گواہی کا
کھیل لڑکپن کا
تھا، ''چور سپاہی'' کا

☆

مستی سے بھری پہلی
الہڑ مٹیاریں
جب کھیل گئیں ''ککلی''

☆

☆

جب کھیلنے ''کھو'' بیٹھے
دیکھ کے اک ساتھی
ہم اس کے ہو بیٹھے

☆

تقدیر ہی پھوٹ گئی
''پینگ'' چڑھالی جب
تو رَسی ٹوٹ گئی

☆

کب درسی کتابوں میں
گم ہوجاتے تھے
ہر شوخ کے خوابوں میں

☆

☆

زورِ طغیانی تھا
عمر اٹھارہ تھی
اور زعمِ جوانی تھا

☆

جب خامشی بولتی ہے
گِرہیں محبت کی
آنکھوں سے کھولتی ہے

☆

کالج کی فضاؤں میں
اڑتے پھرتے تھے
جب اپنی ہواؤں میں

☆☆☆

یادوں کے رنگ

☆

تھے اپنی ہی لہروں میں
عمر گذاری جو
پنجاب کے شہروں میں

☆

یادوں کے خزینے میں
خانپور اپنا تو
آباد ہے سینے میں

☆

اک رُوح تھی سیلانی
چھوڑ کے شہرِ دل
جو ہو گئی ملتانی

☆

☆

اک اپنا ہزارہ تھا
کتنے مناظر کا
خوش رنگ نظارہ تھا

☆

ستلج کے کنارے سے
مائن☆ تک پہنچے
قسمت کے سہارے سے

☆جرمنی کا دریائے مائن جو ہمارے گھر کے بالکل قریب ہے۔

☆

تھے دیس میں پردیسی
آ کے ولایت میں
اب ہو گئے ہیں دیسی

☆

☆

یہ بھید نہ کھل پائے
دل بھر آنے پر
کیوں آنکھ بھی بھر آئے

☆

رہ جاتی ہیں تعبیریں
خواب ہیں ہم شاید
اور اصل ہیں تصویریں

(جوگندرپال جی کے نام!)

☆☆☆

چن ماہی

☆

کچھ دل کو ملوک کرو
ویسے چن ماہی
جو چاہے سلوک کرو

☆

اب تیرے حوالے میں
ہیں تو بُرے لیکن
سچے دل والے ہیں

☆

الجھن سے چھڑاتے ہوئے
باندھ لیا دل کو
بال اُس نے بناتے ہوئے

☆

☆

پیار اور ہوا گُوڑا
بالوں کا اُس نے
جب کھول دیا جُوڑا

☆

یہ کیسا اُبال آیا
کس عمر میں آ کے
یہ کون سا سال آیا

☆

تصویر خیالوں کی
کجلا بھری آنکھیں
”تفسیر اجالوں کی“

☆

☆

وہ دودھ بھرا چھنّا
تم نے مگر اُس کو
دیکھا ہی نہیں چنّا!

☆

پھولوں کی چنگیری ہے
یا پونے گنّے
کی میٹھی گنڈیری ہے

☆

زُلفوں میں کلِپ ڈھولا
اَن سُنی کیوں کر دی
وہ بات جو دِل بولا

☆

☆

کہنے کو تو سایا ہے
جال سُنہری سا
زُلفوں کا بچھایا ہے

☆

رائن☆ سے چناب مِلا
کوئی حقیقت تھی
یا خواب سے خواب مِلا

☆دریائے رائن جرمنی کا مشہور دریا ہے۔

☆

دیوانہ بنا ڈالا
دل کو حسینوں نے
بُت خانہ بنا ڈالا

☆

☆

اک ذات کا جنگل ہے
جگ میں کوئی دن ہو
جنگل میں تو منگل ہے

☆

توبہ کی جو ٹھانی ہے
سوچ لو پھر یہ تو
توہینِ جوانی ہے

☆

لفظوں کے مداری ہیں
عشق کے جذبے سے
جو شاعر عاری ہیں

☆☆☆

دردسمندر

☆

دل کو شاداب کیا
تیری محبت کے
غم سے سیراب کیا

☆

پھولوں کو پرونے میں
سوئی تو چھبنی تھی
اس ہار کے ہونے میں

☆

کیسے اِترائے تھے
پہلے پہل دل پر
جب زخم سجائے تھے

☆

☆

ہم یونہی نہیں ٹوٹے
تیری طرح نکلے
وعدے بھی ترے جھوٹے

☆

کچھ بھی تو نہ پایا تھا
اُس کی محبت میں
بس دل کو جلایا تھا

☆

دن تیس مہینے میں
درد جدائی کا
بڑھتا رہا سینے میں

☆

☆

کوئی سال نہیں بدلا
باون ہفتوں کا
جنجال نہیں بدلا

☆

بَن باس نہیں جاتا
گہری جدائی کا
احساس نہیں جاتا

☆

آنکھوں میں نہیں آتی
پر تصویر تری
دل سے بھی نہیں جاتی

☆

☆

اب جینا وبال ہوا
اُن سے جدائی کا
یہ سولھواں سال ہوا

☆

مِری چاہت کھو گئی ہے
شاید سونے کی
لنکا میں سو گئی ہے

☆

یہ ڈھنگ ہمارا ہے
گدلا جیون رَس
آنکھوں سے نتھارا ہے

☆

☆

اس درد خزانے کے
چل دو نفل ہی پڑھ
رب کے شکرانے کے

☆☆☆

جرمنی

☆

مولا کی عنایت تھی
اپنے مقدر میں
جرمن کی ولایت تھی

☆

خوش قسمتی کا مارا
دل کھلّم کھلا
اور۔۔۔کثرتِ نظارا

☆

یورپ کا نگینہ ہے
اُبھرا ہوا دیکھو
اِس دھرتی کا سینہ ہے

☆

☆

خود کار نظام ملے

جرمنی میں آ کر

کتنے آرام ملے

☆

یہ دیس حسینوں کا

حال نہیں پوچھو

گرمی کے مہینوں کا

☆

رنگین نظاروں کا

پت جھڑ میں بھی یہاں

منظر ہے بہاروں کا

☆

☆

ٹھنڈک میں اُبلتے ہیں

برف پڑے جتنی

جسم اتنے مچلتے ہیں

☆

یا کچھ بھی نہ بتلانا

اور اگر کھلنا

کھلتے ہی چلے جانا

☆

پہنچا جو حسینوں میں

دل بھی ہوا شامل

خود کار مشینوں میں

☆

☆

ایسے دیوانے ہیں

پل بھر کے ساتھی

اور پھر بے گانے ہیں

☆

دولت کی فراوانی

چھین گئی ان سے

جذبے اور حیرانی

☆

پر قوم یہ اچھی ہے

دُھن کی بھی پکی

اور قول کی سچی ہے

☆

☆

اِس ملک میں گر آتے

یار مجید امجد!

تم پاگل ہو جاتے

☆

رنگوں کی ہیں برساتیں

ڈھونڈنے نکلو تو

ہیں سینکڑوں شالاطیں☆

☆شالاط ایک جرمن لڑکی تھی جس کی مجید امجد کی زندگی میں ایک خاص اہمیت ہے۔

☆

جلووں کی فراوانی

خاک مگر ہو گی

اس عمر میں نادانی

☆☆☆

خانۂ خدا

☆

عاشق، محبوب ہوا
کھیل انوکھا تھا
جاذب، مجذدب ہوا

☆

کس نُور کا درشن تھا
سامنا ہوتے ہی
روشن مراتن من تھا

☆

☆

کثرت کی زبانی ہیں
کعبہ کی دیواریں
وحدت کی نشانی ہیں

☆

پوچھو نہ مزہ ہم سے
پیاس بجھائی تھی
جب بئرِ زم زم☆ سے

☆عربی میں کنویں کو بئر کہتے ہیں۔یعنی زم زم کا کنواں

☆

لطف آ گیا جینے میں
نُور مناظر کا
جب بھر گیا سینے میں

☆

☆

قربت میں کمال ہوا
نازقبول اور عجز
بلند اقبال ہوا

☆

جو یار سے دُور ہوا
عجز، ریا اس کا
اور ناز، غرور ہوا

☆☆☆

نمازِ عشق

☆

اک ''فجر'' آغاز ہوئی
درد میں ڈوبے ہوئے
اس دِل کی نماز ہوئی

☆

پھر بعد زوال ہمیں
''ظہر'' نے بخشی ہے
اُمیدِ کمال ہمیں

☆

☆

جب ''عصر'' اشارہ ہوا
سُود میں ڈھلنے لگا
جتنا بھی خسارہ ہوا

☆

یوں روشن جان ہوئی
دل میں کہیں جیسے
''مغرب'' کی اذان ہوئی

☆

جب وقتِ ''عشاء'' آیا
یاد تری آئی
اور وقت دعا آیا

☆

☆

مومن تھا دلِ بد میں
جس نے جگا ڈالا
پھر وقتِ ''تہجد'' ☆ میں

☆☆☆

☆ یہاں ''تہجد'' کو پنجابی معمول کے مطابق باندھا گیا ہے۔

تسلسل

☆

رُومی، شامی، جگنو
میری بیٹی کی
لے آتے ہیں خوشبو

☆

گانی والے توتے
شہری اور سونو
دونوں میرے پوتے

☆

شہزادے کی صورت ہے
پوتا شان، اپنے
پردادے کی مورت ہے

☆

☆

پوتوں کے آنے سے
ملتا ہوں اپنے
دادا کے زمانے سے

☆

ماہا مری پوتی ہے
روتے ہوئے ہنستی
ہنستے ہوئے روتی ہے

☆

اک پوتی اور آئی
بی بی علیشا، جو
سونو کی ہے ماں جائی

☆

☆

جب پوتی ہوئی ماہم
باہم رشتے بھی
کچھ اور ہوئے باہم

☆

رحمت ہے سوا اُس کی
اب چوتھا پوتا
شیرآز، عطا اُس کی

☆

نواسی :عنائیہ

ہنستی ہے، ہنساتی ہے
لوری سُنتی ہے
پھر مجھ کو سناتی ہے

☆

پوتی: ثانیہ

آفت کی پُڑیا ہے
ویسے سچ مچ میں
پیاری سی گڑیا ہے

☆

نواسا :ساحل

ہر دَم خوش رہتا ہے
ساحلؔ خوابوں میں
بھی کھیلتا رہتا ہے

☆

ہنسنے ہیں کہ رونے ہیں
بچوں کے بچے
سب میرے کھلونے ہیں

☆

☆

سب ہی مجھے پیارے ہیں
پوتے ،نواسے سب
دل کے سی پارے ہیں

☆

جیون کا تسلسل ہے
دہراتا خود کو
یوں وقت مسلسل ہے

☆☆☆

نوٹ

’’عمرِ لا حاصل کا حاصل‘‘ کے ۲۰۰۵ء کے ایڈیشن میں ’’درد سمندر‘‘ کے تحت ’’تسلسل‘‘ کے زیر عنوان آٹھ ماہیے شامل تھے۔جبکہ ۲۰۰۹ء کے ایڈیشن میں دس ماہیے شامل تھے۔جبکہ اب ۲۰۱۴ء کے اس انٹرنیٹ ایڈیشن میں چودہ ماہیے شامل ہیں۔چونکہ یہ ماہیے اپنے بچوں کے بچوں کے بارے میں ہیں،اس لیے اِس وقت تک بچوں کی تعداد میں اضافہ کے مطابق ہر ایک کے بارے میں ماہیا کہہ کر ’’تسلسل‘‘ کے زیرعنوان ماہیوں میں بھی اضافہ کر دیا ہے۔**فالحمدلله**

(حیدر قریشی)

دوہا نما

او اَن دیکھے تیرے تو ہیں اربوں کھربوں رُوپ
تیرے پانے کو بدلوں آخر کتنے بہروپ

کونسا اپنا دین دھرم تھا، کونسا اپنا دیس
اصلی صورت بھول گئی تھی بدلے اتنے بھیس

پھر بس میں کچھ بھی نہیں رہتا، کچھ بھی سُوجھ نہ پائے
بیچ ندی میں گٹھڑی بھُس کی جب حیدر کھُل جائے

کم از کم یہ بات تو کہنے میں ہم بھی سچے ہیں
تم بھی سچے، وہ بھی سچے، بس ہم ہی جھوٹے ہیں

ساحل پر کشتی کو جلا کے پہلے تو اِترائے
پھر جب لَوٹ کے آنا ٹھہرا، تیر کے واپس آئے

حیدؔر بھید جہاں کے جیسے خواب کے اندر خواب
ایک نقاب اگر اُلٹیں تو آگے اور نقاب

☆☆☆

تاثرات

☆☆ حیدرقریشی کی شاعری درحقیقت ان کی زندگی کا ایسا آئینہ ہے جس میں ان کی زندگی کے تقریباً سبھی اُتار چڑھاؤ اور دُکھ درد دیکھے جا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر شفیق احمد(بھاول پور)

....

☆☆ غزل میں اس کا کام لب سوز۔لب دوز کی حدود تک پہنچا ہوا ہے۔اس کے اوپر جا کر ذھن کے پھیلاؤ کا کام بھی کرتا ہے۔میرا خیال ہے اگر وہ اپنی غزل کا انتخاب چھپوا دے تو بڑے بڑوں کے چراغ بجھ جائیں۔میں نے ہمیشہ اُسے غزل پر زیادہ توجہ دینے کو کہا ہے کہ مَیں اسکی غزلوں کے پس منظروں کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔مَیں نے اس کی لگتی بھی دیکھی ہے اور ٹوٹتی بھی۔پھر ٹوٹنے میں''تڑک'' کی آواز بھی سُنی ہے اسکی غزل''میری لگدی کسے نہ دیکھی۔تے ٹٹڈی نوں جگ جان دا۔'' کی آواز ہے۔اس کی غزل کی اس''ٹوٹتی ہوئی'' کو بھی زمانہ سنے گا اور اس سننے میں وہ سب کچھ دیکھ بھی لے گا۔**اکبر حمیدی**(اسلام آباد)

....

☆☆ مجھے پہلے کی طرح آپ کے کام کی صلاحیت کے معجزے پر حیرت بھی ہے اور صد رشک بھی۔سمجھ میں نہیں آتا ہے آپ 24 گھنٹوں کو 48 گھنٹوں یا اس سے بھی زیادہ کس طرح بنا لیتے ہیں؟۔اگلی ملاقات ہوگی (انشاءاللہ) تو آپ سے یہ منتر سیکھنے کی کوشش کروں گی۔

ڈاکٹر لڈمیلا وسیلئیوا(ماسکو)

....

☆☆ میں انہیں (حیدرقریشی کو) مغربی دنیا میں اردو کا سب سے بڑا ادیب مانتا ہوں اور ان کی صلاحیتوں کے سامنے اپنی ہیچ مدانی کا اعتراف کرتا ہوں۔حیدر، ون مین ادبی رائٹنگ کی انڈسٹری ہیں۔۔۔۔۔میرے برخوردار ہیں۔مجھ سے عمر میں دس برس کم،لیکن کام وصلاحیت میں سو سال بڑے۔**ڈاکٹر ظہور احمد اعوان**(پشاور)

☆☆ تخلیقی ادب میں کسی نئی یا غیر معروف صنف کو رائج کرا دینا اپنے آپ میں اتنی بڑی بات ہے کہ اسے تاریخ ہمیشہ ایک ادبی واقعے کے طور پر یاد رکھتی ہے۔'آزاد غزل' کو متعارف کرانے کے لئے جتنا مظہر امام کو یاد رکھا جائے گا،شائد اس سے کہیں زیادہ 'ماہیئے' کو پھر سے رواج اور قبولیت دلانے کے لئے حیدر قریشی کی یاد آئے گی۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ پچھلے کئی عشروں سے جرمنی میں خاموشی،مگر نہایت سرگرمی سے ادب کی تخلیق و ترویج میں مصروف یہ فنکار صرف ماہیے ہی نہیں لکھ رہا ہے بلکہ اس نے غزل،نظم، افسانے،انشائیے،خاکے اور سفر نامے لکھنے اور تنقید و تحقیق کے شعبے میں بھی اپنی موجودگی کا احساس دلایا ہے۔ایسے قلم کار کی ادبی قدر و قیمت اور تخلیقی جہات کا اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اسے اور قریب سے دیکھا اور دکھایا جائے۔

نصرت ظہیر(دہلی)

☆☆عمرِ لاحاصل کا حاصل اور جدید ادب نے اُس رات بھی اور آج رات بھی صبح تک مجھے جگائے رکھا۔ہمارے درمیان بہت کم ایسی ادبی شخصیات ہیں جنھوں نے ادب کے اتنے سارے منطقوں میں نہ صرف قدم رکھا بلکہ خوب خوب سیر کی اور اپنے تجربوں اور مشاہدات کو اپنے تخلیقی سفر کا حصہ بنایا۔میں آپ کی ان کاوشوں کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔یوں ہی ایک اور خیال آیا ہے کہ ''خان پور سے جرمنی تک'' کا احاطہ کیجیے۔آپ جس ڈھنگ سے کردار بناتے ہیں اور اُن کرداروں کو ایک خاص ڈھب سے کہانیوں کے نشیب و فراز سے گزارتے ہیں بہت Realistic ہیں۔''خان پور سے جرمنی تک'' کی ان کئی دہائیوں میں ایسے بے شمار کردار ہوں گے اور ایسے دلچسپ اور صبر آزما واقعات ہوں گے جو آپ کی تخلیقی اپچ کے محتاج ہوں گے۔

ایوب خاور(لاہور)

☆☆حیدر قریشی ایک کثیر المطالعہ،وسیع النظر،کشادہ ذہن،پختہ فکر اور تازہ کار تخئیل کے حامل ایک با شعور تخلیق کار ہیں۔اپنے گرد و پیش، قریب و بعید،زندگی کے داخلی اور خارجی عوامل، گونا گوں

تجربات،روزمرہ درپیش واقعات،خوشگوار و ناخوشگوار حادثات و سانحات، مختصر یہ کہ حیات و ممات سے متعلق لوازمات جن سے وہ گزرتے رہے ہیں،جنہیں وہ جھیلتے رہے ہیں،کم و بیش ان تمام کیفیات کو ان سے پیدا شدہ نتائج کے ساتھ اشعار میں سمولیا ہے۔ان کی غزل رنگینیٔ تخیّل کا محض نگارخانہ نہیں،جیتی جاگتی زندگی کے رنگارنگ حقائق کا منظرنامہ پیش کرتی ہے۔

انہوں نے اپنے غزلیہ اشعار کے وسیلے سے نامعلوم خلاؤں میں محض الفاظ و خیالات کے طوطا مینا اڑانے کے بجائے زندگی کی رگوں میں دوڑنے پھرنے والے،زندگی کی اوبڑ کھابڑ سطح پر رواں دواں تلخ و ترش اور کھٹے میٹھے حقائق کی اثر انگیز ترجمانی کی ہے۔انہیں دنیا سے جو کچھ ملا ہے اسے لوٹانے کے بجائے اس کے ردو قبول کی مشترکہ کیفیت کو ایک دلکش طرزِ اظہار کے وسیلے سے دنیا کے روبرو پیش کر دیا ہے۔وہی سب کچھ جسے شاعری کی اصطلاح میں سماجی بصیرت اور عصری حسیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔حیدر قریشی کے دامن نگاہ میں کائنات کی اتنی وسعتیں سمٹ آتی ہیں جن کی سمائی کی تنگنائے دل میں گنجائش نہیں ہے۔**ڈاکٹر محبوب راہی**(انڈیا)

☆☆حیدر قریشی کی غزل میں تغزل کا رنگ و آہنگ اپنے تمام تر لوازمات کیساتھ نظر آتا ہے جو کہ ان کی شاعری کا امتیازی وصف ہے۔۔۔۔۔۔حیدر قریشی کی غزل قدامت کے ساتھ ساتھ جدیدیت کا رنگ بھی رکھتی ہے۔اس کی غزل میں علم بیان کے ساتھ ساتھ علم بدیع کی خوبصورتی بھی ہے نیز وہ غزل کہتے کہتے اپنے قبیلہء شاعری کے علاوہ اپنے علاقے کو بھی نہیں بھولتا۔

منزہ یاسمین(بھاول پور)

☆☆حیدر قریشی کی دنیا صرف عشق و محبت کے رنگین افسانوں سے مزّین نہیں بلکہ ان کی شاعری میں عصرِ حاضر کا وہ کرب بھی شامل ہے جس سے اس عہد کا ہر ذی شعور اور حساس انسان دوچار ہے۔قصرِ سیاست کی عیاریوں کے ساتھ عام انسان کی بدلتی نفسیات، مادّیت پرستی کے بڑھتے رجحان پر ان کا قلم لکھتا ہے اور خوب لکھتا ہے۔خیالات کا بہاؤ انہیں نیرنگیٔ دوراں کے نئے جہانوں کی سیر کراتا ہے۔**ڈاکٹر نجمہ رحمانی**(دہلی)

زندگی

(غزلیں،نظمیں،ماہیے)

حیدرقریشی

انٹرنیٹ ایڈیشن

ZINDGI

Poetry By: ***Haider Qureshi***

نام کتاب: **زندگی** (غزلیں،نظمیں،ماہیے)
شاعر: حیدرقریشی
اشاعت اول: ۲۰۱۳ء(**قفس کے اندر** کے عوامی ایڈیشن میں)
تعداد: ۵۰۰
مطبع:
سرورق: ارشد خالد
قیمت: ۱۰۰روپے

انٹرنیٹ ایڈیشن
جنوری ۲۰۱۴ء

انتساب

اپنے ماموں
پروفیسر ناصر احمد (مرحوم) کے نام

دُکھ اور سُکھ کے اتنے ہی ملے تھے بس قسمت میں
جیون کے اس کھیل میں اپنا، اتنا ہی تھا رول

کبھی جو دل سے تری یاد ہمکلام ہوئی
تو چشمِ نم کو ستارے پکارا کرتے ہیں

ترتیب

غزلیں

آٹھ پرانی غزلیں اور دو پرانی نظمیں

نظمیں

ڈاکٹر علی احمد فاطمی، ڈاکٹر عبدالرب استاد، معید رشیدی،

ڈاکٹر جمیلہ عرشی، منزہ یاسمین، پروفیسر فرحت نواز، ڈاکٹر احمد سہیل

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

سوال: ڈاکٹر نذر خلیق

جواب: حیدر قریشی

اور تھے حیدؔر جو اس کی چاہ میں مرتے رہے
ہم نے اُلٹے ہاتھ سے جھٹکی ہوئی ہے زندگی

(بہ فیضِ بلھے شاہ)

رقص کناں ہے جس کے اندر ازل، ابد کا مور
وہ ہے اک بے انت خلا سا جس کی اور نہ چھور

اک دل کا پھیلا صحرا، خاموشی سے معمور
اک کم ظرف سمندر، جس میں خالی خولی شور

سارے حوالے برکت والے نور بھرے دربار
کوٹ مٹھن، اجمیر شریف اور دہلی ، اور لاہور

حال، دھمال سے تن من روشن، روشن ہوگئی جان
جگمگ کر اٹھی ہو جیسے ایک اندھیری گور

اپنی اڑانیں، ساری شانیں، تیرے دَم سے یار
تیرے ہاتھ ہوائیں ساری تیرے ہاتھ میں ڈور

رشتے ناطے اور تعلق کیسے میرے یار!
کب کچھ مان کسی پر اپنا، کب کچھ اپنا زور

مَن سے لے کر بُکل تک ہوں ویران و حیران
چوری کرنا چھوڑ گئے ہیں میرے سارے چور

سات سمندر سے تو اپنے پاپ نہیں دُھل پائے
تو ہی بھیج اب دل کے صحرا کوئی گھٹا گھنگھور!

حیدرؔ نے پہچان کے تجھ کو جانا تیرا بھید
''بلھے شاہؔ اساں مرنا ناہیں، گور پئے کوئی ہور''

☆☆☆

اس نے تو اپنا سارا کچھ میرے ہی نام لکھ دیا
کیسے سیاہ بخت کو ، ماہِ تمام لکھ دیا

اندر کی جانب اور بھی اندر سفر کیا شروع
ازلی مسافروں کو جب اس نے قیام لکھ دیا

دل یہ سمجھ کے خوش ہوا،مزدوری ختم ہو چکی
قسمت نے عشق کا اسے،ایک اور کام لکھ دیا

آوارگی کو میری قید اُس نے کچھ ایسے کر لیا
ہونٹوں سے مہر ثبت کی،دل میں مقام لکھ دیا

حیدرؔ ہمارے عہد میں،اکیسویں صدی میں بھی
میراؔ نے اپنے ہاتھ سے رادھاؔ کو شامؔ لکھ دیا

☆☆☆

رہا نہ کام علامت یا استعارے کا
یہاں تو عشق ہے جیسے بجٹ خسارے کا

عجیب لہر سی دونوں کے من میں اُٹھی تھی
رہا نہ فرق سمندر کا اور کنارے کا

کبھی تھا ہجر میں بھی وصل کا مزہ لیکن
ہے وصل ہجر زدہ آج ہجر مارے کا

تمہارے جوش بھی سب ٹھنڈے پڑ گئے پیارے
ہمارا پیار بھی بس رہ گیا گزارے کا

دُکھ آیتوں سے بھری اس کی ہر کہانی ہے
عجیب رنگ ہے اس دل کے ہر سپارے کا

گھِرا ہوا ہوں اندھیرے بھنور کے چکر میں
یقیں کیا تھا کسی ''روشنی کے دھارے'' کا

خدا پہ چھوڑ دو سارا معاملہ حیدرؔ
نتیجہ جو بھی نکل آئے استخارے کا

☆☆☆

آنکھ سے گر کر ٹوٹے خواب کھلونے ہیں
اور اب دل کے، بچوں جیسے رونے ہیں

عمرِ لا حاصل کا جو حاصل ٹھہرے
کس نے ایسے داغِ ملامت دھونے ہیں

درد ہمارے تو انمول نکل آئے
گرچہ خریدے ہم نے اونے پونے ہیں

صرف گناہوں کا ہی بوجھ نہیں سر پر
اپنے نیک اعمال بھی ہم کو ڈھونے ہیں

رادھےؔ، میٹھے رادھے! کچھ پہچان ذرا
دیکھ ہمیں ہم تیرے شام سلونے ہیں

زخموں کی خیرات بھی کب مل پائے گی
حُسن سے کچھ احسان ہی ایسے ہونے ہیں

راس زمینِ دل کو غم ایسے آئے
غم کی فصلیں کاٹ کے، پھر غم بونے ہیں

یادوں کے پھولوں سے، اپنی پلکوں نے
اُس کی جیت پہ حیدرؔ ہار پرونے ہیں

عشق میں حیدرؔ باون سال کا ہو کے بھی
بیس برس کی عمر کے رونے دھونے ہیں

☆☆☆

8/اکتوبر 2005 کے قیامت خیز زلزلہ کی خبریں دیکھ
دیکھ کر 15/اکتوبر کو ارتجالاً غزل کے یہ اشعار ہو گئے۔
اس کے چھپنے کے بعد متعدد شاعروں نے اسی زمین میں طبع آزمائی کی۔

~~~~~~~~~~~~

ٹوٹتے، گرتے ہوئے گھر نہیں دیکھے جاتے
بد دعا جیسے یہ منظر نہیں دیکھے جاتے

پھول چہروں پہ کھنڈرے ڈر نہیں دیکھے جاتے
آنکھ سے خوف کے پیکر نہیں دیکھے جاتے

ارضِ خوش رنگ کے سب کوہ و دمن لرزاں ہیں
خون روتے ہوئے پتھر نہیں دیکھے جاتے

گر گئے دستِ دعا گنبد و مینار کے ساتھ
خاک ہوتے ہوئے منبر نہیں دیکھے جاتے

زندگی رُلتی رہی کیسے قضا کے ہاتھوں
اور احوالِ ستم گر نہیں دیکھے جاتے

قہر برساتی ہے کہ چشمِ فلک روتی ہے؟
جو بھی ہے اس کے یہ تیور نہیں دیکھے جاتے

برفباری کا جہنم بھی چلا آتا ہے
منجمد ہوتے مقدر نہیں دیکھے جاتے

دیکھتے دیکھتے آنکھوں میں اُتر آتے ہیں
اور یہ غم کے سمندر نہیں دیکھے جاتے

دیکھتے رہتے ہیں ہر حال میں حیدرؔ پھر بھی
گرچہ ٹی وی کے مناظر نہیں دیکھے جاتے

☆☆☆
~~~~~~~~~~~~

فصلِ غم کی جب نوخیزی ہو جاتی ہے
درد کی موجوں میں بھی تیزی ہوجاتی ہے

پانی میں بھی چاند ستارے اُگ آتے ہیں
آنکھ سے دل تک وہ زرخیزی ہو جاتی ہے

اندر کے جنگل سے آجاتی ہیں یادیں
اور فضا میں صندل بیزی ہو جاتی ہے

خوشیاں غم میں بالکل گھل مل سی جاتی ہیں
اور نشاط میں غم انگیزی ہو جاتی ہے

شیریں سے لہجے میں بھر جاتی ہے تلخی
حیلہ جوئی جب پرویزی ہو جاتی ہے

بے حد پاور جس کو بھی مل جائے، اس کی
طرز یزیدی یا چنگیزی ہو جاتی ہے

کوشش جتنی بھی بچنے کی کر لوں، پھر بھی
اردو میں کچھ کچھ انگریزی ہو جاتی ہے

غزلوں میں ویسے تو سچ کہتا ہوں لیکن
کچھ نہ کچھ تو رنگ آمیزی ہو جاتی ہے

حسن تمہارا تو ہے سچ اور خیر سراپا
ہم سے ہی بس شر انگیزی ہو جاتی ہے

ظاہر کا پردہ ہٹنے والی منزل پر
سالک سے بھی بد پرہیزی ہو جاتی ہے

رومیؔ کو حیدرؔ جب بھی پڑھنے لگتا ہوں
باطن کی دنیا طبریزی ہو جاتی ہے

☆☆☆

دیارِ دل میں کسی نے ورُود کرتے ہوئے
بجھا دیا، ہمیں روشن وجود کرتے ہوئے

یہ میرے جسم نے کیا کھیل مجھ سے کر ڈالا
مجھے نکال دیا بے وجود کرتے ہوئے

پہنچ گئے جو کنارے کبھی تباہی کے
تو بچ کے آ گئے وردِ درُود کرتے ہوئے

کھڑے تھے شاہ کئی جھولیوں کو پھیلائے
فقیر گزرے تھے جس رہ سے جود کرتے ہوئے

کئی برس کی جدائی بھی کچھ بدل نہ سکی
وہ زُود رنج ملا، رنج زُود کرتے ہوئے

کسی کی یاد جلائی تھی جس گھڑی حیدؔر
فضا مہک اُٹھی صندل کو دُود کرتے ہوئے

☆☆☆

دل کہیں پر ہے اور دماغ کہیں
اپنا ملتا نہیں سراغ کہیں

وصل کی شب کہیں پہ اُتری ہے
بجھ گیا ہجر کا چراغ کہیں

مئے رُخسار و چشم و لب اتنی
چھوٹا پڑ جائے نہ ایاغ کہیں

لَو لپکتی، نہ دُود سا کچھ تھا
عشق کا جل رہا تھا داغ کہیں

خواب مجھ سا ہی دیکھ کر کوئی
ہو رہا ہوگا باغ باغ کہیں

نقطۂ علم کے سمجھنے کو
دل سا، لائے کوئی دماغ کہیں

اک تصور میں کھو گئے ایسے
اب میسر نہیں فراغ کہیں

جتنا ممکن تھا، اُتنا وعدہ تھا
کب دکھائے تھے سبز باغ کہیں

محوِ پرواز ہے ابھی حیدرؔ
رہ گئے راستے میں زاغ کہیں

☆☆☆

وصل کی تفہیم , تفریقِ ہوس کرتے ہوئے
مان ہی جائے گا آخر پیش و پس کرتے ہوئے

آنکھ سے اوجھل کیا،اذنِ سفر دے کر ہمیں
اور دل میں رکھ لیا،دل کو قفس کرتے ہوئے

پختگی ایمان میں آئی ہے پہلے سے سوا
دشمنِ ایماں کو اپنا ہم نفس کرتے ہوئے

فون سے بھی اس کے ہونٹوں کا اثر آیا سدا
گھولتا ہے کان میں ،لفظوں کو، رَس کرتے ہوئے

پھیلتی جاتی ہے اس کے لمس کی دل میں دھنک
اُس نے دیکھا اس طرح نظروں سے مَس کرتے ہوئے

عمر کی ناپائیداری کا بھی کچھ تو سوچتے
وصل کی تاریخ کو اگلے برس کرتے ہوئے

آخری منزل سمجھ کر ،جسم و جاں کا قافلہ
رُک رہا ہے، بند آوازِ جرس کرتے ہوئے

اب نہ وہ زورِ بیاں حیدرؔ ،نہ اب وہ رات دن
پھر شروع ہوجانا اک قصہ کو بس کرتے ہوئے

☆☆☆

چلے تھے جستجوئے بے حدی کی حد کے لیے
ازل سے محوِ سفر ہیں ترے ابد کے لیے

ترے خیال کی تجرید کے یہ متلاشی
رُکے نہیں ہیں کسی ظاہری کے رد کے لیے

ابھی سکوت سا طاری ہے دل پہ بوجھل سا
کہ تیرہ دن ہیں ابھی پورے جزر و مد کے لیے

قبولیت کی اچانک گھڑی میں وقت نہ تھا
کسی مزید تقاضے یا ردو کد کے لیے

کفن مِرے لیے دامانِ یار ٹھہرے گا
چلوں گا کوچۂ دلدار میں لحد کے لیے

ہم اپنے صفر زمانے میں مست تھے حیدؔر
وہ ناز کرتے رہے اپنے ہر عدد کے لیے

☆☆☆

افلاک کی لگن میں زمیں کے نہیں رہے
یارانِ تیز گام کہیں کے نہیں رہے

دنیا سمیٹنے میں ہی دنیا سے کٹ گئے
جب دین کو سمجھ گئے دیں کے نہیں رہے

دل کی زمیں کو چاند ستاروں سے بھر لیا
ہم صرف ایک ماہ جبیں کے نہیں رہے

حُسنِ ازل کی چاہ میں بھٹکے ہیں جابجا
ویسے تو ہم کسی بھی حسیں کے نہیں رہے

دو گز کی ایک قبر بھی قسمت کی دین سے
باقی مکاں کسی بھی مکیں کے نہیں رہے

صحراؤں میں بھی رونقیں شہروں کی آ گئیں
ہم بادیہ نشیں تو کہیں کے نہیں رہے

قدموں سے حیدؔر اُن کے لپٹتے ہیں اس طرح
جیسے یہ سجدے میری جبیں کے نہیں رہے

☆☆☆

کون انگڑائی سی لیتا ہے نفس کے اندر
لذتِ وصل مہکتی ہے ہوس کے اندر

پھر سے در پیش ہوا لگتا ہے باہر کا سفر
لہر سی اُٹھنے لگی ہے کوئی نَس کے اندر

رَس بنایا گیا اس زندگی کو پہلے، پھر
موت کا زہر ملایا گیا رَس کے اندر

پھول نے صرف بکھیری ہے مہک بھینی سی
اصل خوشبو تو وگرنہ ہے بِسرَس کے اندر

قافلے والے بہت خوش تھے دَمِ رخصت تو
سسکیاں کس کی تھیں آوازِ جرس کے اندر

کُن کا اک لفظ اسیروں پہ کہیں سے اترا
آسماں ہو گئے تخلیق قفس کے اندر

حیدرؔ اک اور ہی دنیا ہے یہ انٹرنیٹ کی
کیا سے کیا ہو گیا ہوں سات برس کے اندر

☆☆☆

یہ واقعہ ہوا اپنے وقوع سے پہلے
کہ اختتامِ سفر تھا ، شروع سے پہلے

نہیں تھی لذتِ سجدہ، رکوع میں لیکن
اک اور کیف تھا، کیفِ خشوع سے پہلے

نصوص کو بھی کبھی دیکھ لیں گے فرصت میں
ابھی نمٹ تو لیں ''مومن'' فروع سے پہلے

معافی مانگنا پھر بعد میں خلوص کے ساتھ
گناہ کرنا خشوع و خضوع سے پہلے

اُسی کے پاس تو جانا ہے لوٹ کر آخر
سو خوب گھومئے ، پھریئے ، رجوع سے پہلے

سیاہِ شب نے تو اندھیر کر دیا تھا بہت
سو آ گیا ہوں میں وقتِ طلوع سے پہلے

یہ عید آئی ہے کس قتل گاہ میں حیدؔر
سلام پھیر لیا ہے رکوع سے پہلے

☆☆☆

جیسی بھی ہے اس دنیا سے کٹ کر نہیں رہنا
جب پیار بڑھانا ہے تو ڈٹ کر نہیں رہنا

دُوری بھی مٹانی ہے محبت کے سفر میں
اک حد کو بھی رکھنا ہے، لپٹ کر نہیں رہنا

اپنوں کو تو کچھ اور بھی نزدیک کریں گے
سوچا ہے کہ غیروں سے بھی ہٹ کر نہیں رہنا

لازم ہے سنا جائے کھلے ذہن سے سب کو
اپنے ہی خیالات میں اَٹ کر نہیں رہنا

جتنا ہوں حقیقت میں، وہی دِکھنا ہے مجھ کو
اوروں کے لیے بڑھ کے یا گھٹ کر نہیں رہنا

کچھ اپنے دل و ذہن کو نزدیک کیا ہے
اندر بھی زیادہ ہمیں بٹ کر نہیں رہنا

رہنا ہے بہر حال یہیں پر ہمیں حیدؔر
دنیا سے مگر اتنا چمٹ کر نہیں رہنا

☆☆☆

بخشی تھی ہجر نے جو تب و تاب لے گیا
اس جسم کو تو وصل کا سیلاب لے گیا

خوابوں سے بڑھ کے پیار کی تعبیریں بخش کے
جاتے ہوئے وہ میرے سبھی خواب لے گیا

دامن کو میرے بھر گیا چَین و قرار سے
بدلے میں وہ مِرا دلِ بے تاب لے گیا

کر دی ہیں ماند رونقیں دریائے جان کی
رقصاں تھے اس میں جتنے بھی گرداب لے گیا

تا کہ کسی سفر پہ نکل ہی نہ پاؤں اب
ہمراہ اپنے وہ مِرا اسباب لے گیا

پہلے تو اس نے کی تھیں عنایات بے شمار
پھر جو بھی میرے پاس تھا نایاب، لے گیا

سیراب کر کے، پیاس کی لذّت کو چھین کر
صحرا کے ضابطے، ادب آداب لے گیا

جگنو، ستارے، اشک، محبت کے ہم سفر
میرے تمام ہجر کے احباب لے گیا

اک روشنی سے بھر گیا حیدرؔ مِرا وجود
بے شک وہ میرے سورج و مہتاب لے گیا

☆☆☆

جتنے سیاہ کار تھے نردوش ہو گئے
ہم سر جھکا کے شرم سے خاموش ہو گئے

فریاد جتنا شورِ قیامت اُٹھا گئی
منصف ہمارے اور گراں گوش ہو گئے

جب باغیانہ ہمت و جرأت نہیں رہی
شہرِ ستم گراں میں ستم کوش ہو گئے

اہلِ خرد جو ہونے لگے اور ہوشیار
دیوانے بھی سیانے و باہوش ہو گئے

نیکی ہماری ایک بھی ان کو رہی نہ یاد
سب زود رنج، زود فراموش ہو گئے

اب کے شرابِ غم میں کچھ ایسا سرور تھا
چکھتے نہ تھے جو،وہ بھی بَلا نوش ہو گئے

دل کی تو کیا خود اپنی خبر بھی نہیں ملی
جس دن سے میرے دل میں وہ روپوش ہو گئے

ہجر و وصال ہو گئے یکجا کچھ اس طرح
جذبات پھر سے جاگ اُٹھے،پُر جوش ہو گئے

حیدرؔ جب اس نے چاہ سے غم کر دیئے عطا
تو ہم بھی والہانہ غم آغوش ہو گئے

☆☆☆

پہنچائی گرچہ آپ نے ہر ممکنہ گزند
اک سرنگوں کو کر دیا مولا نے سر بلند

جو جتنا رب کے شکر سے لبریز ہو گیا
اللہ نے کردیا اسے کچھ اور ارجمند

اِتنے ہی ہم مزاج تھے،اِتنے ہی مختلف
جو مجھ کو ناپسند تھا،اُس کو رہا پسند

اُس کے خیال میں اُڑی مچھلی ہوا میں، تو
ہم نے لگائی ایڑ،سمندر میں تھا سمند

مسجد میں ہم گئے تو وہ جائیں گے چرچ میں
ہم قادیاںؔ گئے تو وہ جائیں گے دیو بندؔ

اک بائبلؔ کہے تو کہے ویدؔ دوسرا
قرآنؔ ایک لائے تو لے آئے ایک ژندؔ

قسمت میں تھا یہی کہ پلٹ کر نہ جا سکیں
ہم بام تک پہنچ گئے،ٹوٹی نہیں کمند

پھر بھی نباہ ہو گیا،جیسے بھی ہو گیا
ہم مستِ حالِ فقر تو وہ سخت خود پسند

دونوں گناہگار ہی کچھ لاڈلے سے تھے
دونوں نے مل کے کھولا تھا بابِ قبول بند

اک دوسرے کو زخم بھی دیتے ہیں پیار سے
اک دوسرے کے واسطے دونوں ہیں دردمند

☆☆☆

پہلے آدھا ملک ہمارا توڑ دیا
باقی کو دہشت گردی سے جوڑ دیا

خود کش حملے، خونریزی و بربادی
کن رستوں پہ لا کے قوم کو چھوڑ دیا

غیروں سے بدلہ لینے کے چکر میں
پورے دیس کا حلیہ موڑ ، تروڑ دیا

جس نے تھوڑا سا بھی سمجھانا چاہا
اس کے گھر پہ جا کے بم اک پھوڑ دیا

مولا! کیا تو نے بھی بے بس لوگوں کو
بے رحموں کے رحم و کرم پہ چھوڑ دیا

کس نے عذاب میں ڈالا ساری دنیا کو
کس نے کس سے مل کے روس کو توڑ دیا

کس کے ''جہاد'' نے امریکہ کو طاقت دی
اور دنیا کو یہ ''تاریخی'' موڑ دیا

بولو کتنے زخم لگانا باقی ہیں
جسدِ وطن کو اتنا تو بھنبھوڑ دیا

حیدرؔ بے حس میں احساس کہاں، پھر بھی
کچھ احساس دلانے کو جھنجھوڑ دیا

☆☆☆

کتنے تفکرات لیے آرہی ہے عید
مہنگائی جیسے لُوٹ گئی قوتِ خرید

یا خودکشی کی خبریں ہیں یا خودکشوں کا کھیل
صاحب! کہاں کی رونقیں اور کیسا شوقِ دید

اک دوسرے کا قتل ہے شوقِ جہاد میں
اِس کے بھی سب شہید ہیں، اُس کے بھی سب شہید

افسوس ہم میں اک بھی حسینؓ نہیں رہا
اور دندنا رہا ہے یہاں لشکرِ یزید

خوش فہمیوں سے اب بھی نہ نکلیں تو کیا کہیں
جن کو بشارتوں کا نتیجہ ملا وعید

اپنے کیے دھرے کی سزا میں ہیں مبتلا
اب بھی اگر نہ سمجھے تو بھگتیں گے پھر مزید

وہ پاک باز ہم پہ مسلط کیے گئے
حیدرؔ دیارِ پاک کی مٹی ہوئی پلید

☆☆☆

اسی طریقے سے دونوں گزارا کرتے ہیں
ہم ان کو اور ہمیں وہ گوارا کرتے ہیں

اگر ہے دل میں تذبذب سا کچھ ابھی تک تو
تشفّی کے لیے پھر استخارا کرتے ہیں

بساطِ منظر و ناظر بچھانے والے اب
ہمارے کھیل کا خود بھی نظارا کرتے ہیں

کبھی جو دل سے تری یاد ہمکلام ہوئی
تو چشمِ نَم کو ستارے پکارا کرتے ہیں

نئے زمانے۔۔نئے آسمان سے آ کر
نئی زمینوں کی جانب اشارا کرتے ہیں

ستارے جس پہ نچھاور تو کہکشاں ہو فدا
ہم ایسی دھرتی پہ سورج کو وارا کرتے ہیں

ہمیں تو اپنے ہی شہروں کی بات کرنی ہے
وہ اور ہیں جو بخارا، بخارا کرتے ہیں

نئے کچھ اور کی خواہش بھی اب نہیں دل میں
نہ اپنے پہلے کیے کو دوبارا کرتے ہیں

تمام خواہشیں حیدرؔ کبھی کی چھوڑ چکے
کہو تو خود سے بھی اب ہم کنارا کرتے ہیں

☆☆☆

دردِ دل کی ہمیں اب کے وہ دوائی دی ہے
اپنے دربار تلک سیدھی رسائی دی ہے

اک جھماکا سا ہوا روح کے اندر ایسے
نوری برسوں کی سی رفتار دکھائی دی ہے

کیسے زنجیر کا دل ٹوٹا یہ اُس نے نہ سُنا
وقت نے قیدی کو بس فوری رہائی دی ہے

اک نئی لمبی مسافت کا زمیں زاد کو حکم
اور اس بار مسافت بھی خلائی دی ہے

جب بھی جانا ہے پلٹ کر نہیں دیکھیں گے کہیں
اپنے اندر سے یہ آواز سنائی دی ہے

جتنے دکھ درد تھے، دل میں ہی ڈبو ڈالے ہیں
ہم نے فریاد کبھی کی نہ دُہائی دی ہے

اُن فقیروں کے لیے ایک خدا کافی ہے
اہلِ دنیا کو جنہوں نے یہ خدائی دی ہے

اک عجب عالمِ برزخ میں ہی رکھا اس نے
نہ کبھی قرب ہی بخشا نہ جدائی دی ہے

کسی الزام کا اقرار بھی حیدرؔ نہ کیا
نہ بریت کے لیے کوئی صفائی دی ہے

☆☆☆

اظہار کی اِس دل نے اس بار تو حد کر دی
ہر بات مگر اُس نے اِس بار بھی رد کر دی

جو کام نہ ہونا تھا،وہ ہو ہی گیا آخر
کچھ ہم نے بھی ہمت کی، کچھ اس نے مدد کر دی

اس درد سمندر میں اک جزر تھا مدّت سے
اس درد سمندر میں کیوں آپ نے مد کر دی

جو مانتے ہیں دل سے وہ کھل کے نہیں کہتے
یاروں کے رویے نے توثیقِ حسد کر دی

اعداد ہوئے غالب تو آج کی دنیا نے
ہر حرف کی حرمت ہی اب زیرِ عدد کر دی

وا گود رکھی اس نے،بیداری رہی جب تک
جب نیند کا وقت آیا ،گود اس نے لحد کر دی

نکلے تھے ازل سے جو اک لہر میں،سو ان کی
قسمت نے مسافت بھی تا حدِ ابد کر دی

تھے زیر و زبر دونوں،اک زیر ہوا آخر
پھر آخری لمحے میں اس زیر نے شد کر دی

شدت کا رویہ ہی عادت سی رہی اس کی
نفرت بھی بلا کی تھی،چاہت بھی اشد کر دی

جب عشق کیا حیدؔر معیار بنا ڈالا
اور ایسی محبت کی،دنیا میں سند کر دی

☆☆☆

(۱۹۷۵۔۷۷ کے عرصہ میں مدینہ بھاولپور میں چھپی ہوئی ایک غزل کے پہلے دو اڑھائی شعر یاد آنے پر اس غزل کو نئے سرے سے مکمل کر لیا ہے۔۔ح۔ق)

کوئی آوارہ ہے یا بھٹکی ہوئی ہے زندگی
موت کی نظروں میں جو کھٹکی ہوئی ہے زندگی

شور سنتے تھے بہت لیکن حقیقت اور ہے
ایک ہی تو سانس پر اٹکی ہوئی ہے زندگی

کربلا کی خاک پر روندی گئی ہے اور کبھی
نفرتوں کی دار پر لٹکی ہوئی ہے زندگی

دھوپ میں ٹھنڈک، تمازت گھل گئی ہوں جس طرح
ایسے سارے دہر میں چھٹکی ہوئی ہے زندگی

رنگ و خوشبو کا کوئی جادو اسی کے دَم سے ہے
گلشنِ ہستی میں جو چٹکی ہوئی ہے زندگی

یہ تو بس موّاج لہروں کا انوکھا کھیل ہے
کب کسی ساحل، کسی تٹ کی ہوئی ہے زندگی

اور تھے حیدرؔ جو اس کی چاہ میں مرتے رہے
ہم نے الٹے ہاتھ سے جھٹکی ہوئی ہے زندگی

☆☆☆

ترا مقصود ہو کر رہ گیا ہے
یہ دل محدود ہو کر رہ گیا ہے

جو ناموجودیت میں بیکراں تھا
وہ بس موجود ہو کر رہ گیا ہے

جہاں ملنے تھے اپنے دل،وہ رستہ
بہت مسدود ہو کر رہ گیا ہے

زیاں کے شوق میں نکلے تھے لیکن
زیاں بھی سود ہو کر رہ گیا ہے

بڑی ''مقبولیت'' حاصل تھی اس کو
بڑا مردود ہو کر رہ گیا ہے

کسی پر آگ ٹھنڈی ہو گئی ہے
کوئی نمرود ہو کر رہ گیا ہے

سدا انکار تھی پہچان جس کی
سراپا جُود ہو کر رہ گیا ہے

بہت ہی پیار وہ کرتا ہے مجھ سے
وہ کب معبود ہو کر رہ گیا ہے

کبھی شعلۂ جوّالہ تھا، حیدرؔ
یہ دل اب دُود ہو کر رہ گیا ہے

☆☆☆

نہ جانے کیوں تمناؤں کی طغیانی میں رکھا ہے
ابھی تک دل نے خود کو عہدِ نادانی میں رکھا ہے

یہ کیسا آئنہ رُو اب کے میرے روبرو آیا
مجھے جس نے مسلسل ایک حیرانی میں رکھا ہے

کوئی خواہش ہو، اب کہتے ہی فوراً مان لیتا ہے
ستم گر نے مجھے اب بھی پریشانی میں رکھا ہے

عنایت میں بھی اک طرزِ ستم محسوس ہوتا ہے
نہ لاؤں تاب جس کی ایسی تابانی میں رکھا ہے

دکھائی شانِ فقر اپنی تمہاری بادشاہی میں
فقیری عجز اپنے عہدِ سلطانی میں رکھا ہے

ہے میری روح میرے جسم کے ہر ذرّہ میں پنہاں
تو اپنے جسم کو اک شہرِ روحانی میں رکھا ہے

دیارِ حُسن میں خیرات کی خواہش نہیں رہتی
بخیلوں نے بخیلی کو فراوانی میں رکھا ہے

بہت سی بے نیازی اور اک یادوں بھری گٹھڑی
بڑا سامان اپنی خستہ سامانی میں رکھا ہے

یہاں سے رونقیں دکھ درد کی جاتی نہیں حیدرؔ
دکھوں کا ایسا میلہ اپنی ویرانی میں رکھا ہے

☆☆☆

گیان، دھیان کے رستوں پر اب اور نہ مجھ کو رول
میرے مالک! مجھ پر میرا ساتواں دَر بھی کھول

ایک نئے آدم کی پھر تشکیل ہے میٹھے پانی!
جذب ہو میری مٹی میں یا مجھ کو خود میں گھول

دنیا کو سمجھائیں کیسے، آخر کیسے سمجھے
باتیں اپنی سچی، سیدھی اور دنیا ہے گول

قیمت اپنی کچھ بھی نہیں تھی، شان ہے اُس پیارے کی
یاروں نے بے مول کیا تھا، اُس نے کیا اَنمول

کب اپنی پہچان کے سارے بھید کھلے ہیں خود پر
جھانک ابھی کچھ اور بھی اندر، من کو اور ٹٹول

کتنی اور زمینیں تیرا رستہ دیکھ رہی ہیں
اس دھرتی سے آگے چل، اب اُڑنے کو پر تول

دُکھ اور سُکھ کے اتنے ہی میلے تھے بس قسمت میں
جیون کے اس کھیل میں اپنا اتنا ہی تھا رول

راضی ہوں تیری مرضی پر لیکن بھید کھلے بھی
تیری مرضی کیا ہے یارا، کچھ تو کھل کر بول

ہجر کی رُت میں بھی پیغام وصال کا آیا حیدرؔ
دیکھ! بُلاوا آیا ہے تو مت کر ٹال مٹول

☆☆☆

عشق میں سب کچھ اک جیسا ہے، کیا پانا، کیا کھونا
لذت میں ملتا جلتا ہے ہنسنا ہو یا رونا

ساری ریاضت خاک ہوئی اور زعمِ کرامت ٹوٹا
اک درویش پہ چل گیا ایسا حُسن کا جادو ٹونا

جن و ملک سب سے اُکتا کر رب نے بنایا، آخر
سانسوں کی چابی سے چلنے والا ایک کھلونا

سُن یارا! مت اُلجھ تُو اُس سے جس کی ایک نظر ہی
سونے کو مٹی کردے، مٹی کو کردے سونا

زہریلی نفرت کا موسم جتنا زہریلا ہو
اپنی آنکھوں میں سچی چاہت کے خواب ہی بونا

ہم ہی کتنی دیر سے ساری بات کیے جاتے ہیں
اتنی دیر سے چُپ بیٹھے ہو، تم بھی کچھ تو کہو نا!

ڈر ہے رازوں کے افشا کا موجب نہ بن جائے
حیدرؔ بھید بھرے دل کا اب چھید بھرا دل ہونا

☆☆☆

چند پرانی غزلیں
اور
ایک پرانی نظم

جدید ادب خانپور کے چند پرانے شماروں، اپنی ایک مرتب کردہ کتاب ''کرنیں'' اور ارشد خالد کے **عکاس** خانپور کے ایک شمارہ کو دیکھتے ہوئے مجھے اپنی ایک نظم اور آٹھ ابتدائی غزلیں ایسی مل گئیں جن کو اس مجموعہ میں الگ سے شامل کرنے کا خیال آ گیا، سو وہ تھوڑی سی ابتدائی زمانے کی شاعری یہاں شامل کر رہا ہوں۔ ۱۹۷۹ء، ۱۹۸۰ء کا یہ وہ زمانہ تھا جب میں ادب میں جدیدیت کی انتہا پسند لہر کے زیر اثر اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

(حیدر قریشی)

نئی رُتوں کے جو منتظر تھے،اُجڑ گئے وہ گلاب چہرے
عذاب کی ایسی آندھیاں تھیں کہ بجھ گئے آفتاب چہرے

خموشیوں کی اُداس جھیلوں میں جھلملائے ہیں عکس ایسے
کہ جیسے میری سوال آنکھوں میں تیرتے ہوں جواب چہرے

گداز جسموں کی ہر صدا میں جواں گناہوں کا ہے تقدّس
وہی تقدس کہ جس کے صحرا میں دور تک ہیں سراب چہرے

میں وقت کے بہتے پانیوں پر نقوش چہروں کے کھینچتا ہوں
کوئی تو سمجھائے آکے مجھ کو کہ کب رُکے ہیں برآب چہرے

نہ پڑھ سکے داستان اپنی،نہ سوچ پائے کسی کی سوچیں
بکھر گئے لفظ لفظ حیدرؔ،ورق ورق ہیں کتاب چہرے

☆☆☆

مرتب کردہ کتاب ''کرنیں''۔مطبوعہ ۱۹۸۰ء

برستے رنگ نگاہوں میں بھر کے لایا ہوں
سلگتے خواب بجھانے بھی خود ہی آیا ہوں

میں بے لباس خیالوں میں اس کو اپناؤں
کوئی تو مجھ کو یہ سمجھائے میں پرایا ہوں

ادھورے شہر کے اک بے صدا دریچے میں
یہ میں ہوں یا کوئی بے چہرگی کا سایا ہوں

وہ پڑھ سکا کبھی مجھ کو، نہ مجھ کو سوچ سکا
میں جس کی روح کا ہر لفظ جھانک آیا ہوں

میں ٹوٹ کر بھی ہوں پہچان وقت کی حیدرؔ
کہ ٹوٹتے ہوئے لمحوں میں آسمایا ہوں

☆☆☆

جدید ادب خانپور۔شمارہ نمبر۳۔سال ۱۹۷۹ء

ہم اس قدر قریب تھے کہ جیسے کوئی خواب تھے
تھا ہجر کا عذاب بھی،مگر وصال یاب تھے

خموشیوں کے روگ سارے ،روح میں اتر گئے
ہمارے کچھ اصول تھے تو کچھ انہیں حجاب تھے

پھر اس کے بعد دوریوں کا سلسلہ تھا دور تک
ہم اپنی اپنی ذات ہی میں آپ اک عذاب تھے

یہ اور بات ایک دوسرے کو بھی نہ پڑھ سکے
وگرنہ ہم میں اپنے ہر سوال کے جواب تھے

☆☆☆

جدید ادب خانپور۔شمارہ نمبر ۶۔ستمبر ۱۹۷۹ء

آنکھوں سے تیری یاد کے منظر اتار کے
سوچا ہے دُور جاؤں کسی دیس پیار کے

سانسوں میں جم گیا ہے جدائی کی شب کا خوں
لمحے ٹھہر گئے ہیں ترے انتظار کے

ساری فضا پہ چھا گئے چمگادڑوں کے غول
آخر غروب ہو گیا سورج بھی ہار کے

حیدرؔ خزاں کے ظلم کے ماتم سے کیا ملا
گلشن سجاؤ جوڑ کے ٹکڑے بہار کے

☆☆☆

عکاس۔خان پور۔دسمبر ۱۹۸۱ء

یہ کیا ہوا کہ دعاؤں کے ہاتھ چھوٹ گئے
نئے دنوں کی صداؤں کے عکس ٹوٹ گئے

ہوا پہ لمس دھنک کے اتارنے والے
جواں رُتوں کے بدن خوشبوؤں کو لوٹ گئے

مجھے یقین ہے اک روز لَوٹ آئے گا
وہ جس کی یاد کے بھی حرف مجھ سے روٹھ گئے

میں اپنی کرچیاں اب کس طرح سمیٹوں گا
کرن کرن مِری آنکھوں کے خواب پھوٹ گئے

وہ بے قصور تھا، میری منافقت ہی سہی
چلو خلوص کے جھوٹے بھرم تو ٹوٹ گئے

☆☆☆

عکاس۔خان پور۔دسمبر۱۹۸۱ء

یہ کون دے گیا ہے مجھ کو بے طلب اداسیاں
کہاں سے آ گئی ہیں مجھ میں بے سبب اداسیاں

نہ جن کا کوئی رنگ ہے، نہ جن کا کوئی نام ہے
رگوں میں جگمگا اُٹھی ہیں کچھ عجب اداسیاں

تمام رات رتجگوں کا زہر چاٹتے رہے
نہ جانے اور ڈھائیں دل پہ کیا غضب اداسیاں

میں تب یقیں کروں کہ پیار میں اسیر ہے کوئی
کسی کی روح میں بھی تَیر جائیں جب اداسیاں

تمام حرف ہوں گے سُرخرو اب انتظار کے
بس اور تھوڑی دیر کہ ہیں جاں بلب اداسیاں

☆☆☆

عکاس۔خان پور۔دسمبر۱۹۸۱ء

بے تاب ہوئے جاتے ہیں جذبات کے جنگل
اُگ آئے ہیں آنکھوں میں بھی صدمات کے جنگل

ہر شعر درختوں کی گھنی چھاؤں کا پیکر
اب کے ہیں گھنے کتنے خیالات کے جنگل

یہ فاصلے دُوری کے کوئی چیز نہیں ہیں
پھیلے ہیں مگر راہ میں لمحات کے جنگل

سورج کوئی اس دھرتی کے سینے پہ اتارو
کھا جائیں گے ورنہ اسے اس رات کے جنگل

منڈلاتے رہے ذہن پہ آسیب انا کے
اور چاٹ گئے مجھ کو مری ذات کے جنگل

☆☆☆

عکاس۔خان پور۔دسمبر۱۹۸۱ء

وہ کسی اندھے ہیولے سے بھی کم تر نکلا
میں جسے آئنہ سمجھا تھا وہ پتھر نکلا

خواب کا ٹوٹنا تو خیر مقدر تھا مگر
خواب ٹوٹا تو پھر آنکھوں سے بکھر کر نکلا

بے لحاظی سے کچھ اس کے بھی حجاب اترے ہیں
کچھ عقیدت کا مِرے دل سے بھی اب ڈر نکلا

خود کو دیکھا تو کوئی شاعرِ کم مایہ تھا
سوچنے بیٹھا تو جذبوں کا قلندر نکلا

گو ترے چاہنے والے تھے ہزاروں پیارے
سُرخرو عشق میں لیکن ترا حیدرؔ نکلا

☆☆☆

عکاس۔خان پور۔دسمبر۱۹۸۱ء

موت کے جال اور ابدی زندگی

سنہری مچھلیاں پانی کے جال میں پھنسی ہوئی
تیرتی پھر رہی ہیں
روپہلی تتلیاں ہوا کے جال میں پھنسی ہوئی
اُڑ رہی ہیں
تیز ہوا پانی کی سرکش لہروں سے کھیل رہی ہے
سرکش لہریں کھیلتے کھیلتے ساحل سے جا ٹکراتی ہیں
اور پھر کسی شریر بچے کی طرح
دوڑ کے واپس آجاتی ہیں

لہروں کے ساحل سے ٹکرا کر واپس آنے کا منظر

کبھی کبھی ایسے لگتا ہے
جیسے لہریں اپنے آپ کو ڈھونڈ رہی ہیں
قطرہ قطرہ اپنی ذات کی کھوج میں ہے

تیز ہوا کی ساری تیزی
اس دھرتی کی آخری حد کو
چھو کر واپس آجاتی ہے
کششِ ثقل سے باہر جانا، اس کے بس سے باہر ہے
سر نیوٹن دور کھڑا مسکرا رہا ہے
اور اس کی تصویر اوندھی پڑی کچھ سوچ رہی ہے

لہریں خود کو ڈھونڈ رہی ہیں
دھرتی خود کو ڈھونڈ رہی ہے

لیکن دیکھو! تیز ہوا کیوں جھوم رہی ہے؟
شاید اس نے اپنے آپ کو ڈھونڈ لیا ہے
میں بھی خود کو ڈھونڈ چکا ہوں
سانسوں کے اس جال کو خود ہی کاٹ چکا ہوں
جال کی قید سے آزادی پر جھوم رہا ہوں!

☆☆☆

جدید ادب خانپور۔شمارہ نمبر۲ سال ۱۹۷۹ء

صدر بُش کو عید مبارک!

سانحہ نائن الیون کے بعد افغانستان اور عراق پر حملوں کے دوران صدر بُش نے عید کے موقعہ پر عالمِ اسلام کو مبارک باد دی تھی۔اس کے جواب میں یہ نظم لکھی گئی۔بعض اخبارات اور ویب سائٹس میں چھپنے کے باوجود ابھی تک میں نے اسے اپنے کسی شعری مجموعہ میں شامل نہیں کیا تھا۔اب اس مجموعہ میں شامل کر رہا ہوں۔(ح۔ق)

ہمارے عہد کے ہیرو!
تمہارے دم قدم سے اب ہواؤں میں
انوکھا اسلحہ، بارود کی خوشبو لئے
گھرے دھوئیں کے بادلوں پہ رقص فرما ہے
فضاؤں میں تمہارے تیز تر رفتا طیاروں کی آوازیں
ابھی تک موت کے نغموں کی صورت گونجتی ہیں اور
ابھی بمبارمنٹ اور گولہ باری کی نئی طرزیں
نئے گیتوں میں جیسے ڈھلتی جاتی ہیں
عراقی اور افغانی لہو پی کر نشے سے جھومتے
’’ڈیزی کٹر‘‘ کا جشن جاری ہے

یہ ایسا جشن ہے جس میں
''بموں کی ماں'' خوشی سے ناچتی ہے اور
جہاں فرعون اور نمرود اور چنگیز کی اولاد کے
گلنار چہروں پر مسرت تمتماتی ہے

ہمارے عہد کے ہیرو!
ابھی ہم بے بسوں کے سر پہ اک لمبا محرم ہے
ہمارے واسطے ہر دن محرّم کا مہینہ ہے
سو ہم ماتم گزاروں کی کہاں عیدیں!

صلیبی جنگ کا اعلان کرنے والے
پیارے بُش!
ہمارے عہد کے ہیرو! (مگر کیا واقعی ہیرو؟)
ہماری عید ہو یا پھر تمہاری عید ہو
اب تو سبھی عیدیں تمہاری ہیں
سو ہم مجبور اور ماتم گزاروں کی طرف سے
تم کو سب عیدیں مبارک ہوں!

☆☆☆

بوند بھر روشنی

بوند بھر روشنی تھی مگر یوں لگا
جیسے اک بوند میں ہی سمندر بھرا ہو
میں اُس بوند میں تھا یا وہ بوند مجھ میں
ابھی تک یہ عقدہ نہیں کھل سکا ہے
مگر ایک منظر سا کچھ یاد ہے کہ
سمندر کے اندر سمندر گرا تھا
انوکھی سی اک روشنی کا عجب موج در موج سا
جگمگاتا ہوا سلسلہ تھا

جسم اور روح جیسے مقابل بھی تھے، باہم آمیز بھی
شاید ایسا ہی کچھ تھا یا کچھ اور تھا۔۔۔

ایسے لگتا ہے اب بوند بھر روشنی میں
فقط اک سمندر نہیں، جانے کتنے سمندر، رواں تھے
اس میں کتنے ہی سورج ستارے چمکتے تھے
اور کہکشائیں خلا در خلا رقص کے حال میں تھیں
جہاں ساری سمتیں ہی بے معنی سی ہو گئیں
سارے بُعد اور سارے زمانے
کسی ایک نکتے میں جیسے سمٹ آئے تھے
وہ نقطہ وہی بوند تھا
بوند بھر روشنی!

☆☆☆

جوابِ آں نظم

(ستیہ پال آنند کے بارے میں)

میاں آزاد ہے وہ
ذات میں جس کی
میاں خوجی بھی بستا ہے
کہانی کار تھا وہ اور کہانی خوب لکھتا تھا
مگر آزاد نظموں کی لگن نے خوامخواہ
اس کے کہانی کار کو شاعر بنا ڈالا
الو ہی شاعری کو بھی تماشا سا بنا ڈالا
میاں آزاد کے اندر میاں خوجی بسا ڈالا
اُسے یہ زعم تھا آزاد نظموں میں بھی

وہ قصے ہی لکھتا ہے

یہ زعم اب اتنا پختہ ہو گیا ہے کہ وہ اب
تحقیق کے مضمون بھی آزاد نظموں ہی میں لکھتا ہے
وہ شاعر ہے مگر غزلیں نہیں کہتا
غزل کی صنف سے ناراض ہے خاصا
غزل کے شعر اس کو زہر لگتے ہیں
اسے احمد فرازؔ اس واسطے اچھا نہیں لگتا
کہ اس کے گرد ہر دَم خوبصورت عورتوں
کا جمگھٹا کیوں تھا

وہ اپنی شاعری کا آپ دیو آنند بنتا ہے
مگر آنند جس کا جا چکا اور اب فقط اک دیو ہے
میراجیؔ و راشدؔ سی شہرت کی تمنا کا
مگر اس کی حقیقت بھی
میاں آزاد کے اندر کے میاں خوجی جیسی ہے
میاں خوجی کہ جس نے اپنی نظموں کو

قرولی سا بنا ڈالا
سو اب جس سے بھڑکتا ہے
وہ اپنی فارسی زدگی پہ اتراتے ہوئے
نفرت میں اپنی ایسے اُس کو جھونک دیتا ہے
فقط دھمکی نہیں دیتا
قرولی نظم کی
سچ مچ اُسے وہ بھونک دیتا ہے!

☆☆☆

اجنتا کے غار کی ایک تصویر

یہ نظم میراجی کی نظم ''اجنتا کے غار'' سے متاثر ہو کر

اور ایک تصویر کو دیکھ کر لکھی گئی

■■■■■■■■■■

ابھی کی بات ہے شاید یا کل کی ، ایسے لگتا ہے
مگر یہ بات تو صدیوں پرانی ہے
ہم اپنے پیار میں کھوئے ہوئے
اک دوسرے میں خود کو جیسے ڈھونڈتے تھے
ہمارا کھیل ابھی جاری تھا
جب تاریخ کے صفحات پر آندھی چلی
خانہ بدوشوں کے مقدس حملہ آور
جب مرے جغرافیہ کو روندتے بڑھتے چلے آئے
تب اس آندھی کے پہلے زور ہی میں

میں جنم چکر کے گھیرے میں چلا آیا
وہ اصحافِ کہف کا حال کچھ کچھ جانتی تھی
اس لیے آندھی سے بچنے کے لیے
اک غار میں وہ جا چھپی

جنم چکر میں لہراتا ہوا کتنے ہی جنموں تک
اسے میں ڈھونڈتا پھرتا رہا
میں ساری بستیوں، صحراؤں سے ہوتا
بیابانوں تلک پہنچا
اُسے ڈھونڈا صدائیں دیں
پہاڑوں اور دریاؤں سے گزرا
اور غاروں تک بھی جا پہنچا
تبھی اک غار میں تصویر کا پیکر بنی آخر وہ مجھ کو مل گئی
میں اس مُورت کو کتنی دیر تک حیرت سے بس تکتا رہا
تکتا رہا۔۔۔ تکتے ہوئے

اس وقت خود حیرت سے مورت بن گیا
تصویر میں جب یک بیک جنبش ہوئی
انگڑائی سی لے کر وہ گہری نیند سے جاگی
اندھیرے غار کی دیوار سے نیچے اتر کر مسکرائی
میرے پاس آئی
مجھے بانہوں میں بھر کے بھینچ کے سینے سے لپٹایا
تو دو مہجور روحوں کا ملن جسموں کے رستے سے
ازل سے تا ابد پھیلے ہوئے لمحے میں جیسے نقش سے بھرنے لگا

دو مہجوروں کے وصلِ جاوداں کی یہ کہانی
خواب کو تعبیر دیتی ہے
اک ابدی کیف سے سرشار لمحے کی گواہی
آج بھی اُس غار کی تصویر دیتی ہے!

☆☆☆

ماہیے

صرف ایک ہی پل تھا وہ
خود ہی ابد بھی تھا
اور خود ہی ازل تھا وہ

☆

صحرا میں چناب ایسی
سائبر کی دنیا
بیداری میں خواب ایسی

☆

☆

لیپ ٹاپ تک آ پہنچے
اپنے ہی کمرے میں
ہم آپ تک آ پہنچے

☆

باتیں بھی ہوتی ہیں
اور میسنجر پر
گھاتیں بھی ہوتی ہیں

☆

لکھنے میں بھی آسانی
اردو فائل کی
ترسیل بھی ارزانی

☆☆☆

تاثرات

اس منزل پر پہنچتے پہنچتے فکر کی بلندی، خیال کی نزاکت، غزل کے اسرار و رموز حیدر قریشی کی غزل گوئی کے وہ امتیازی اوصاف بن جاتے ہیں جہاں حقیقت اور رومانیت، کلاسیکیت اور جدیدیت ،مقامیت اور عالمیت اور ان سب پر غالب ایک مخصوص شاعرانہ کیفیت نے ان غزلوں کو لائقِ مطالعہ ہی نہیں بلکہ عہدِ حاضر کا ایک رزمیہ بنا دیا ہے جس کا پُر شوق مطالعہ ایک نئ جمالیاتی دنیا میں لے جاتا ہے۔ جہاں زمان و مکاں ماضی و حال باہم مدغم ہو کر غزلیہ شاعری کی ایک ایسی لئے اور ایک ایسا آہنگ بن جاتے ہیں جہاں شاعری صرف ادب ہی نہیں بلکہ فکر و فلسفہ، تاریخ و تہذیب کا روپ اختیار کر لیتے ہیں۔ بعض اشعار تو ایسے ہیں جن کی معنویت و مقصدیت کا دائرہ پھیل کر قوسِ قزح کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ ایک آفاقی معنویت کا علمبردار۔

ڈاکٹر علی احمد فاطمی (الہٰ آباد)

■■■■■■■■■■■■■■■■■■■■

حیدر قریشی ایک ہمہ جہت فنکار ہیں، وہ غزل گو بھی ہیں اور نظم گو بھی، اس طرح ماہیا بڑی چابکدستی سے کہہ دیتے ہیں۔ حمد یہ ماہیوں میں بھی ان کی فنکاری جھلکتی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ آج کے معاشرے پر بھی ان کی نظر ہے۔ **ڈاکٹر عبدالرب استاد** (گلبرگہ)

■■■■■■■■■■■■■■■■■■■■

حیدؔر قریشی نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ زیست کے فلسفوں کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے حیات و ممات کے مباحث میں الجھ کر موت کو سینے سے لگایا ہے انہوں نے زندگی کو عذاب اور موت کو شباب کی نظر سے دیکھا ہے۔ ان کا ایقان ہے کہ موت کا خلوص زندگی کے فریب پر بھاری پڑ جاتا ہے۔ موت سے قبل زندگی کے قرض کی ادائیگی کا خیال ہمیں چونکاتا ہے اور ہر لمحہ دعوتِ فکر دیتا ہے۔۔۔۔ وہ آلام و مصائب سے گھبراتے نہیں بلکہ ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ غموں سے فرار حاصل نہیں کرتے بلکہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینے کا راستہ نکالتے ہیں۔۔۔۔۔ حیدؔر قریشی جدید لب و لہجے کے شاعر ہیں۔ وہ جدید خیالات، جدید حسّیات، جدید تشبیہات و استعارات، جدید لفظیات اور جدید تراکیب تراشتے ہیں۔ وہ خیال

اور مضامین دونوں کی جدّتوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔ان کی شاعری میں مشینوں کی گڑگڑاہٹ کا بیان نہیں ملتا لیکن مشینوں کی حکومت نے انسانی احساسات پر جو قبضہ جمانے کی کوشش کی ہے اس سے بیزاری کے نقوش ضرور مل جاتے ہیں۔ان کے شعروں میں تنہائیوں کا کرب،ہجرت کی تکالیف،سینوں کے داغ،اور دلوں کے زخم کی صدائیں گونجتی ہیں۔وہ گلوبلائزیشن کے حصار میں گھری زندگی اور اس کے مسائل کا عکس پیش کرتے ہیں۔دنیا تیزی سے ایک عالمی گاؤں میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔رشتوں کی جڑیں کھوکھلی ہوتی جارہی ہیں۔پیار،محبت اور ایثار وخلوص کی عمارت ٹوٹتی جارہی ہے۔جدید ترین قمقموں کی فراوانی کے باوجود اندھیروں کی سلطنت بڑھتی جارہی ہے۔دوریاں سمٹتی جارہی ہیں مگر دلوں کے درمیان فاصلے وسیع ہوتے جارہے ہیں۔تنہائیاں ہرطرف اپنا جال بن رہی ہیں۔ایسی حالت میں شاعر کے دل کا اداس ہونا عین فطری ہے۔وہ گہری سوچ میں ہے۔کسی مسئلے کی طرف وہ مسلسل سوچ رہا ہے لیکن خیالات کے نہ ختم ہونے والے سمندر میں اس کی ذات مزید ڈوبتی جارہی ہے اور وہ اپنے وجود سے بے خبر اپنی ہی تلاش میں سرگرداں ہے۔**معید رشیدی**(دہلی)

....

جرمنی میں مقیم حیدر قریشی ویسے تو اردو کی معروف شخصیت ہیں اور نثر ونظم کے میدان میں اپنی اہمیت وعظمت ثابت کراچکے ہیں۔انہوں نے مختلف اصنافِ ادب کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔شاعری میں بھی حیدر صاحب کی شخصیت مثلث کی حیثیت رکھتی ہے اور غزل، ماہیا،نظم کے زاویوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔یہ مثلث ایسا ہے کہ جو نہ صرف ان کی شاعرانہ قدرتِ کلام کو ظاہر کرتا ہے بلکہ متنوع شخصیت کے پہلو بھی اُجاگر کرتا ہے۔اُن کی غزلیں پڑھ کر بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے،۔۔ماہیا نگاری میں وہ یدِطولیٰ رکھتے ہیں اور نظم گوئی میں بھی وہ بہرصورت کامیاب ہیں۔کس کو کس پر ترجیح دی جائے؟اگر قاری کے سامنے یہ سوال کھڑا کیا جائے تو وہ پس وپیش میں پڑ جائے گا کیونکہ مثلث کے تینوں زاویے اُسے دلکش دکھائی دیں گے اور ہر زاویہء نظر سے حیدر قریشی کی تصویر عظمت کا پیکر بن کر اُبھرے گی۔**ڈاکٹر جمیلہ عرشی**(جے پور،راجستھان)

....

حیدر قریشی بنیادی طور پر غزل گوشعراء میں شمار کیے جاتے ہیں اور ان کی غزلوں میں مشرقیت سانس

لیتی محسوس ہوتی ہے۔حیدر قریشی رموزِ شاعری سے واقف ہیں۔اس لیے انہوں نے جو کچھ کہا وہ ان کے ذوق اور سلیقے کی بہترین ترجمانی کرتا ہے۔حیدر قریشی کی شاعری روایتی اور جدید دونوں موضوعات کا حسین امتزاج ہے۔۔۔۔۔۔حیدر قریشی نے اپنی شاعری میں عشق کو محض تذکرے کے طور پر نہیں اپنایا بلکہ انہوں نے عشق کو اس کی تمام تر حرارتوں اور جذباتی محرکات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ان کا محبوب روایتی غزل کا خیالی ہیولہ نہیں بلکہ یہ ان کی دنیا کا باسی ہے جو ان کے اردگرد اپنی تمام تر حقیقتوں کے ساتھ موجود ہے۔۔۔۔۔۔۔حیدر قریشی کی غزل میں علم بیان کے ساتھ ساتھ علم بدیع کی خوبصورتی بھی ہے۔۔۔۔۔حیدر قریشی کی نظموں کے رنگا رنگ موضوعات اپنی مکمل قوت اور توانائی کیساتھ تہذیبوں کے اتار چڑھاؤ اور کائنات کی تخلیق کے روپ سروپ لیے قاری کے حواس پر اثر انداز ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔جو اپنے دور کے لوگوں کو محبت وامن کی نوید اور پرانی رنجشوں کو بھلا دینے کا درس دیتے ہیں۔ان کی نظموں میں لفظوں کی پیچ در پیچ زنجیروں میں زندگی سانس لیتی محسوس ہوتی ہے۔**منزہ یاسمین**(بھاول پور)

....

اگر مغربی ممالک میں قیام پذیر اردو کے سارے شاعروں،ادیبوں کا جائزہ لیا جائے تو اپنے اپنے اصنافی دائرے میں سب اچھا کام کررہے ہیں۔کوئی شاعر ہے،تو کوئی افسانہ نگار۔۔کوئی نقاد اور محقق ہے تو کوئی خاکہ نگار۔۔کوئی انشائیہ نگار ہے تو کوئی سفرنامہ نگار۔۔کوئی سوانح نگار ہے تو کوئی یادنگار۔۔بعض ادباء نے ایک سے زیادہ اصناف میں بھی کام کیا ہے لیکن حیدر قریشی نے جتنا کثیر الجہت کام کیا ہے اور اس میں جس طرح اپنا عمومی معیار بھی برقرار رکھا ہے اس کے باعث مغربی ممالک کے شاعروں اور ادیبوں میں تو حیدر قریشی کا بالکل الگ ایک مقام بن چکا ہے جس میں وہاں کوئی بھی ان کا مدمقابل دکھائی نہیں دیتا۔**پروفیسر فرحت نواز**(رحیم یار خاں)

....

(حیدر قریشی) کی تحریروں میں کشمکشِ زیست غالب عنصر ہے۔مگر ان کی شاعری میں تہذیبی جلا وطنی اور سیاسی متعلقات بھی ہیں۔ان کے شعری اسلوب میں سرائیکی لسانیات کا اردو میں نفوذ بھی نظر آتا ہے۔شعری صنف''ماہیا''پر ان کا کام بڑے معرکے کا ہے۔
وہ خواب گر بھی ہیں اور خواب شکن بھی۔۔۔۔**احمد سہیل**(امریکہ)

انٹرنیٹ کے ذریعے مکالمہ

(حیدرقریشی کی تخلیقات اورتحریروں کی روشنی میں)

ڈاکٹر نذر خلیق (خانپور)

**ڈاکٹرنذرخلیق کے لیے ہوئے ایک پرانے اورطویل انٹرویو
میں سے شاعری سے متعلقہ حصہ یہاں دیا جارہاہے۔(ح۔ق)**

نذر خلیق: میں کوشش کروں گا کہ انٹرویو کے روایتی سوالوں سے بچ کر ایسے سوال کرسکوں جن سے آپ کے فن کی مختلف جہتوں کو سمجھنے میں آپ کے جوابوں سے کچھ مدد مل سکے۔تو میں آپ کی شاعری سے بات شروع کرتا ہوں۔کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آپ نے شاعری کے حوالے سے تمام

امکانات کو پالیا ہے اور آپ کی شاعری کے بارے میں جو کام ہوا ہے یا جو رائے دی جا رہی ہے مکمل اور جامع ہے؟

حیدر قریشی: ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ میں کہوں میں اپنی شاعری کے سارے امکانات کو پا چکا ہوں۔ہاں کچھ عرصہ سے شاعری کی روانی قائم نہیں رہی۔لیکن یہ کوئی تشویش کی بات نہیں ہے۔میرا پہلا شعری مجموعہ ’’سلگتے خواب‘‘ شاعری شروع کرنے سے ۲۰ سال کے بعد شائع ہوا۔اور چوتھا شعری مجموعہ ’’دعائے دل‘‘ چار سال کے عرصہ میں مکمل ہو گیا، جبکہ اس کی زیادہ تر شاعری ۱۹۹۵ء اور ۱۹۹۶ء کے دو برسوں کی ہے۔اب پانچ مجموعوں کی کلیات مکمل کرنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ شاعری میں کچھ ٹھہراؤ سا آ گیا ہے۔لیکن مجھے معلوم ہے کہ یہ سب عارضی وقفے ہوتے ہیں۔ویسے ممکن ہے میری نثر کی طرف اور انٹرنیٹ کی طرف توجہ زیادہ دینے کی وجہ سے شاعری نظر انداز ہو رہی ہو۔باقی میری شاعری پر جتنا کام ہوا ہے، ہر جائزہ لینے والے کے اپنے مزاج کی بات ہے۔ممکن ہے کچھ اور لکھنے والے کسی اور زاویے سے بھی جائزہ لے سکیں۔

نذر خلیق: آپ غزل، نظم اور ماہیے میں سے کسے ترجیح دیں گے، کسے زیادہ اہم کہیں گے؟

حیدر قریشی: دراصل شاعری ہو یا دوسری نثری اصناف ہوں یہ سب اظہار کے مختلف پیمانے ہیں اور میں جب کوئی تخلیقی اظہار کرتا ہوں تو اس کی نوعیت کے مطابق اس کا پیمانہ از خود اسی فارم کی صورت میں آ جاتا ہے۔اس لئے کسی کو بھی ترجیح نہیں دی جا سکتی۔البتہ یہ بات میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اب پھر کہہ رہا ہوں کہ شاعری میری پہلی محبت ہے۔اس میں غزل اظہار کا پہلا پیمانہ تھا۔اس کے باوجود کسی صنف کو کسی دوسری پر ترجیح دینا میرے لئے ممکن نہیں ہے۔

نذر خلیق: میں ابھی صرف شاعری تک محدود رہ کر بات کرنا چاہتا ہوں۔آپ نے شاعری کے لئے صرف ان تین اصناف کو ہی چنا ہے۔متعدد دوسری نئی اور پرانی اصناف میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا اس کی کیا وجہ ہے؟

حیدر قریشی: آپ پہلے سوال کو پھر گھما لائے ہیں۔میں نے جن اصناف میں اظہار کیا ہے وہی میرے مزاج سے مطابقت رکھتی تھیں۔باقی اصناف شاید میرے مزاج اور میرے تخلیقی تجربے سے میل نہ کھاتی ہوں گی۔کئی بار ایسا ہوا کہ مجھے کسی دوست کا خط آیا میں فلاں صنف کا ایک

انتخاب ترتیب دے رہا ہوں۔آپ فوری طور پر اتنی رباعیات، یا اتنی کہہ مکرنیاں، یا کچھ اور بھیج دیں۔ان سارے دوستوں کی پر خلوص پیش کش کے جواب میں ہمیشہ میں نے معذرت کی ہے۔اگر کبھی اندر سے لہر اٹھے تو ہوسکتا ہے میں وہ شاعری بھی کرلوں جس کی مجھ سے فرمائش کی گئی تھی۔لیکن اگر اندر سے لہر نہیں اٹھتی تو محض چھپنے کے لئے یا کسی انتخاب میں شامل ہونے کے لئے ایسی فرمائشی شاعری کرنا میرے لئے مشکل ہے۔

نذر خلیق : اپنی غزلوں کے معیار کے سلسلے میں آپ کس حد تک مطمئن ہیں؟

حیدر قریشی:اگرچہ اپنے اظہار کے لئے میں اس حد تک مطمئن ہوں کہ جو کہنا چاہتا ہوں کسی نہ کسی رنگ میں کہہ لیتا ہوں، تاہم مجھے کبھی کبھی احساس ہوتا ہے کہ طبیعت کی موزونیت کے باوجود مجھے کوئی اچھا رہنما مل جاتا تو عروض کی تھوڑی سی سوجھ بوجھ میرے لئے مفید ثابت ہوتی۔مجھے کبھی کبھی اپنی اس کمی کا احساس ہوتا ہے۔

نذر خلیق: لیکن ماہیے کے اوزان کے سلسلے میں تو آپ نے خاصی عروضی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔

حیدر قریشی: نہیں یار۔۔وہ تو ماہیے کی لَے کو برقرار رکھنے کے لئے مجبوراً تھوڑی شد بد حاصل کرنا پڑی۔اس میں بھی میں نے لَے کو بنیاد مان کر اس کی رینج میں آنے والے سارے معین اوزان اور مختلف اوزان کو یکجا کیا ہے۔بلکہ اس عمل کے دوران عروضی میدان میں اپنی کم علمی کا احساس اور بڑھ گیا ہے۔البتہ جب میں کئی اپنے جیسے عروض سے نابلد لوگوں کو بڑے ناز کے ساتھ ماہرِ عروض کے طور پر بولتے اور لکھتے دیکھتا ہوں تو ان کی بہادری پر حیرت بھی ہوتی ہے اور شرمندگی بھی۔

نذر خلیق: آپ کی ذاتی زندگی کا عکس آپ کی شاعری میں بہت دکھائی دیتا ہے۔ڈاکٹر شفیق احمد صاحب نے تو اس وجہ سے اپنے مضمون میں اس کا تفصیلی ذکر بھی کیا ہے۔

حیدر قریشی: شاعری کا ایک دور وہ تھا جب میں شعری روایات کے زیرِ اثر بیت برائے بیت کہہ رہا تھا۔لیکن یہ میری شاعری کا عبوری دور تھا جسے میں نے جلد عبور کرلیا۔اس کے بعد میری شاعری میرے گہرے مشاہدے یا ذاتی تجربات کا پرتو ہے۔اسی لئے اس میں میری ذاتی زندگی موجود ہے۔میری زندگی میں موجود لوگ بھی دکھائی دیتے ہیں۔

نذر خلیق: کیا اس لحاظ سے آپ ترقی پسندوں اور حقیقت پسندوں کے قریب نہیں آجاتے جو شاعری اور ادب کو زندگی کا عکاس قرار دیتے ہیں؟

حیدر قریشی: شعر و ادب محض زندگی کے عکاس نہیں ہیں۔اس سے سوا بھی بہت کچھ ہیں۔تاہم جہاں تک ترقی پسندی کی اس روایت کا تعلق ہے کہ یہ زندگی کی بات کرتی ہے تو یقیناً میری شاعری اس لحاظ سے ترقی پسند روایت سے قریب ہے۔

نذر خلیق: لیکن آپ ڈاکٹر وزیر آغا کے زیرِ اثر ترقی پسندوں سے خاصے دور ہیں؟

حیدر قریشی: مزیدار سوال ہے۔دراصل میری ذاتی زندگی ایک مزدور کی زندگی ہے جس کی ترجمانی ترقی پسند کرتے ہیں۔ظاہر ہے میں ترقی پسندی کے اس سارے عمل سے پوری زندگی گزرا ہوں۔استحصالی قوتوں سے ہر قدم پر لڑائی لڑی ہے۔اگر میں ادبی سطح پر ترقی پسند حلقے میں شامل ہوتا تو اس کے نتیجہ میں میرے ہاں بلند آہنگ نعرہ بازی کی حد تک آجاتا۔اس لحاظ سے وزیر آغا کی فکر میرے لئے بہت بابرکت ثابت ہوئی کہ میں عملی زندگی میں ترقی پسند ہوکر خارجی محاذ پر لڑتا رہا اور ادبی طور پر میں نے خارج کے بجائے اپنے داخل پر توجہ مرکوز کی۔یوں میرے ہاں داخلیت اور خارجیت کا ایک توازن فطری طور پر آگیا۔

نذر خلیق: لیکن داخلیت کی اہمیت کو ماننے والے تو ایک قدم آگے بڑھ کر باہر کو بھی اندر کا ہی ایک حصہ قرار دیتے ہیں۔

حیدر قریشی: بھائی! یہ تو ادبی مباحث ہیں چلتے رہتے ہیں۔ہر علمی نکتہ میں کوئی نہ کوئی مفید یا مزے کی بات ہوتی ہے۔میں سلطان باہو کو پڑھ رہا تھا۔جب ان کے اس مصرعہ پر پہنچا ظاہر باطن عین ایانی ہُو ہُو پیا سینوے ہُو۔۔۔۔تو مجھے لگا کہ داخل اور خارج کی بحث اپنی علمی اہمیت کے باوجود تخلیق کی اعلیٰ اور صوفیانہ سطح پر جا کر بے معنی ہوجاتی ہے۔لیکن ایسا صرف صوفیانہ تجربے جیسے تخلیقی لمحہ میں ہوتا ہے۔اس کے بعد پھر وہی مباحث ہیں اور ان پر سب کے اپنے اپنے دلائل ہیں۔اور ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

....